MUSLIM
MATURIDIAN
ORGANIZATION

جلد 1, شمارہ 2 رمضان - 1446, مارچ 2025

ماہنامہ

بصیرتِ اسلام

مذہب کی آفاقی افادیت

الحادی نظریات کا مطالعاتی جائزہ (الحاد کیا ہے؟)

ہندومت کا تصورِ الٰہیت اور بت پرستی

تعارف کتب: معرکۂ مذہب اور سائنس

شنٹوازم: ایک جائزہ

پیش کش : مسلم ماتریدین آرگنائزیشن

بسم الله الرحمن الرحيم

ردِالحاد، ردلادینیت، ردادیانِ باطلہ اور دورِ حاضر میں اسلامی نظامِ حیات کی افادیت کے حوالے سے علمی و تحقیقی مقالات سے مزین ماہ نامہ

ماہ نامہ بصیرتِ اسلام

INSIGHT OF ISLAM

جلد-۱/ شمارہ-۲/رمضان ۱۴۴۶ھ مطابق مارچ ۲۰۲۵

مدیر

محمد انور الماتریدی

پیش کش

مسلم ماتریدی آرگنائزیشن

بہ فیضانِ نظر

امام الہدیٰ امام ابو منصور الماتریدی

[پ، ۸۵۲ عیسوی م، ۹۴۴ عیسوی]

جملہ حقوق بہ حق مُدیر محفوظ ہیں

ماہنامہ بصیرتِ اسلام
جلد، شمارہ ۱، ۲
مدیر محمد انور الماتریدی
نائب مدیر محمد یاسر مشتاق
صفحات ٦٧
سالِ اشاعت رمضان ۱۴۴٦، مارچ ۲۰۲۵
سرورق حمزہ عابر
نوعیتِ اشاعت برقی اشاعت **DIGITAL PUBLICATION**
ناشر مسلم ماتریدین آرگنائزیشن، لاہور

مجلسِ مشاورت

- محمد یاسر مشتاق
- شہروز احمد نظامی
- محمد اسامہ بن صالح
- محمد عثمان علی کاشمیری
- حمزہ عابر
- محمد عمر اقبال

فہرست

مذہب کی آفاقی افادیت	شیخ الحدیث پیر غلام رسول قاسمی حفظہ اللہ	7
الحادی نظریات کا مطالعاتی جائزہ (الحاد کیا ہے؟)	محمد انور الماتریدی	11
ترویجِ الحاد کے اسباب (قسط دوم)	فیصل ریاض شاہد	16
الحاد کے معاشرتی ذرائع اور ان کا سد باب	حافظ جمشید ابن جنید	19
وجودِ خدا کا انکار ناممکن ہے	محمد اسامہ مصطفائی	23
ہندومت کی تصورِ الٰہیت اور بت پرستی	محمد ذوالقرنین البریلوی	24
تعارفِ کتب: معرکۂ مذہب اور سائنس	محمد یاسر مشتاق	28
شنٹوازم: ایک جائزہ	محمد عثمان علی کاشمیری	38
مغربی فکر پر اسلامی فلسفے کا عملی اثر	خواجہ محمد حسنین اویسی	44
سیکولرازم: ایک مفصل تعارف (قسط دوم)	علامہ محمد انس بندیالوی	47
لبرل ازم: ایک جائزہ (قسط دوم)	عائشہ کشف یاسین	55
فتوح الغیب اور تعلیماتِ قادریہ	محمد اسامہ بن صالح	58

مذہب کی آفاقی افادیت

شیخ الحدیث پیر سائیں غلام رسول قاسمی حفظہ اللہ تعالی

مذہب کیوں ضروری ہے

(1) سائنس جب کسی بھی مشینری کو ایجاد کرتی ہے تو اس کا موجد اپنی ایجاد کردہ مشین کے خراب ہونے کی صورت میں اسے ٹھیک کرنے کیلیے مکمل لائحہ عمل (Technical order) تیار کرتا ہے بلکہ اس پر کام کرنے والوں کو باقاعدہ مینوول (Manual) فراہم کرتا ہے۔

ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ بعض حساس اور نازک مشینوں (Equipment) پر کام کرتے وقت اگر کاریگر (Technician) کے ہاتھ میں مینوول نہ ہو تو اس کے خلاف قانونی کارروائی (Technical Charge) کر دی جاتی ہے۔

انسان جیسی عظیم مشینری کے خالق نے جو ٹیکنکل آرڈر اور جو مینول عطا فرمایا ہے اس کا نام شریعت ہے۔ ملحدین ان اصطلاحات اور ان ناموں سے جتنی بھی نفرت کا ڈرامہ کریں مگر ان حقائق سے منہ نہیں موڑ سکتے اور انہیں انسانی زندگی کے لیے اپنے دہرسے یا اپنے الحادسے کوئی نہایت منظم اور مدلل انسانی ٹی او (Technical order) لانا پڑے گا۔ یا پھر اسلام کو ماننا پڑے گا۔

اسی Technical order کو عملاً سمجھانے کے لیے ماہرین کا عملہ بھی مشینری کے ساتھ بھیجا جاتا ہے۔ مثلاً پاکستان نے جب بھی بیرونی ممالک سے جہاز خریدے تو انہیں ممالک سے ماہرین کا عملہ ساتھ پہنچا۔

یہ مثال ہم نے صرف بات سمجھانے کے لیے پیش کی ہے۔ بلا تشبیہ اللہ تعالی کی طرف سے دیے گئے احکام کو عملاً کر کے دکھانے اور نافذ کرنے کے لیے بھیجے گئے عملے کو انبیاء علیہم السلام کہا جاتا ہے۔ مذہب کا لفظی معنی ہے راستہ، مینوول کے لفظ میں اسی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

(۲)۔انسان کی زندگی کے دو مختلف پہلو ہیں۔

ایک ذاتی اور دوسرا اجتماعی۔ ذاتی زندگی کے بھی دو پہلو ہیں۔ایک پہلو کا تعلق اس کی زندگی کی بقاء سے ہے اور دوسرے پہلو کا تعلق اس کی زندگی کی محض گزران اور عیش سے ہے۔اسی طرح اجتماعی زندگی کے بھی دو پہلو ہیں ایک ازدواجی یا عائلی اور دوسرا معاشرتی۔ عائلی زندگی کا تعلق اہل وعیال سے ہے جس میں ساس،بیوی اور اولاد اور والدین شامل ہیں۔ اور معاشرتی زندگی کا تعلق گھر کے اور پڑوسی اور زمین کے پڑوسی سے لے کر ملکی اور بین الاقوامی سطح تک وسیع ہے۔اب مجموعی طور پر انسانی زندگی کے چار مختلف پہلو سامنے آ گئے۔

(1)۔ذاتی زندگی کی بقاء

(۲)۔ذاتی زندگی کی گزران

(۳)عائلی زندگی

(۴)معاشرتی زندگی

اب ملحدین بتائیں کہ زندگی کے یہ تمام پہلو تسلیم شدہ ہیں کہ نہیں؟ کیا زندگی کے ان تمام گوشوں کا مکمل راستہ تیار کرنا گناہ ہو گا یا انسانیت پر احسان؟ انسان کو جنگلیوں کی طرح جنگل کے قانون کے حوالے کر دینا انسانیت ہو گا یا حیوانیت؟

انسان کو ان چاروں پہلوؤں سے متعلق قانون اور راستہ مرتب کرنا ہو گا تاکہ جرم سے پہلے اس جرم کی سزا کا قانون موجود ہو۔ ہر کسی کو ہر کسی کی جان لینے یا زمین چھیننے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ یہ قانون کوئی بھی مرتب کرے۔ بالفرض ملحدین ہی مرتب کر دیں تو ملحدین کے اس طے شدہ قانون کا نام کیا ہو گا۔ اگر اس کا نام راستہ ہو گا تو یہی مذہب کا ترجمہ ہے۔ اگر اس کا نام قانون (Law) ہو گا تو یہی اسلامی زبان میں الاحکام السلطانیہ" کہلاتا ہے۔ نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی۔ تو پھر مان جائیے کہ مذہب اور انسانیت لازم وملزوم ہیں۔اب آپ خلا اور خاموشی کی مثالیں نہیں دے سکتے۔ خلا اور خاموشی کے لیے آپ کو زمین خالی کرنا ہو گی یا اپنی زبان کو خاموش رکھنا ہو گا۔

(۳)انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے۔

جسم اور روح کے اپنے اپنے تقاضے اور ضروریات ہیں۔ ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:اِن لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے(بخاری:۱۹۷۵)۔

ضمناً طب پر بحث اور مختلف دواؤں کی تجویز ایک الگ بات ہے۔ لیکن ہر مذہب نے زیادہ سے زیادہ توجہ روح اور اس کی اصلاح پر دی ہے۔آپ نے کبھی نہیں سنا ہو گا کہ فلاں مذہب کا دار و مدار طبّی تعلیمات پر ہے۔ ہر مذہب نے روح کی اصلاح اور اخلاقیات پر زیادہ زور دیا ہے۔ غصہ، تکبر، حسد، لالچ بغض وغیرہ ہی وہ بیماریاں ہیں جو انسان کو حیوان بنا دیتی ہیں۔ ان کی اصلاح انسانی روح کا فطری تقاضا ہے۔اس تقاضے کی تکمیل کیلیے دین اور مذہب کی ضرورت پڑتی ہے۔ دنیا کا ہر مذہب عاجزی سکھاتا ہے،اسلام میں نماز اور سجدہ ورکوع اس عاجزی کے انتہائی مظاہر ہیں۔ جبکہ تمہارے دامن میں ضرور اور بغاوت کے سواء کچھ نہیں۔

(۴)آپ نے تجربہ کیا ہو گا کہ تمام انسان ایک جیسے ذہن کے نہیں ہوتے

اور یہ بھی دیکھا ہو گا کہ ذہین آدمی کبھی کسی کند ذہن پر اعتماد نہیں کرتا اور اس کے مشورے پر دار و مدار نہیں رکھ سکتا۔ یہ بات ایک بالکل تجرباتی اور سائنسی حقیقت ہے۔

اب اگر دنیا بھر کے کند ذہن آپس میں مل کر ذہین لوگوں کے خلاف ایک محاذ کھڑا کر دیں، تحریک چلائیں اور احمقانہ مطالبات کا ایک چارٹر تیار کر کے امن عامہ کو تباہ کر دیں تو آپ ان کا کیا بگاڑ لیں گے ؟

یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ ذہانت اور کند ذہنی کے صرف یہ دو ہی درجے نہیں بلکہ ہر بندے کی ذہانت دوسرے سے مختلف ہے اور ان کے درمیان بے شمار درجات ہیں۔ بعض لوگ کسی ایک میدان کے ماہر ہوتے ہیں مگر دوسری طرف ان کا ذہن چلتا ہی نہیں۔ کسی کا غصے میں دماغ خراب ہو جاتا ہے اور کسی کو خوشی میں کچھ نہیں سوجھتا کسی کو ٹینشن(Tension)لاحق ہو جاتی ہے اور چڑچڑا ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

لوگوں میں سب سے زیادہ ذہین فطین، علیم، حکیم مستقل مزاج عفو در گزر کے پیکر اور پاک ترین جسم و روح کے حامل حضرات کو اگر چن کر انسانیت کی راہنمائی اور نسبتاً کم ذہین لوگوں کی تربیت پر مامور کر دیا جائے تو یہ ایک نہایت دانشمندانہ فیصلہ ہو گا اور انسانیت پر رحم کی انتہاء ہو گی۔

پس ایسے ہی لوگوں کو جب اللہ کریم جل شانہ نے جب چنا ہے تو انہیں نبی اور رسول کا نام دیا۔ بڑی سادہ اور آسان بات ہے جسے قبول کرنے کی بجائے ملحدین نے بدعقیدگی کا خول پہن کر تنقید کا نشانہ بناڈالا۔ اللہ کریم نے مصلحانہ اعلیٰ ظرفی کا عزم سونپتے ہوئے اپنے حبیب اللہ سے فرمایا:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ

یعنی در گزر کرنے کو اپنا وطیرہ بناؤ، نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے مت الجھو (الاعراف:۱۹۹)۔

الحادی نظریات کا مطالعاتی جائزہ (الحاد کیا ہے؟)

محمد انور الماتریدی

بنی نوع انسانیت کے درمیان مختلف بنیادوں پر کئی اقسام کی تفریق کی جاتی ہے کہ جس کے ذریعے ہم افراد کے درمیان، ان کی شناخت، ان کے مختلف امتیازی تشخص کے ساتھ کر سکتے ہیں اسی امتیاز و تفریق اور شناخت و تشخص کی غرض سے ہم انسانوں کو کئی درجات میں تقسیم کرتے ہیں

اسی تقسیم میں معیار لسانیات بھی ہو سکتی ہے یا

وہ معیارِ تقسیم ممالک و براعظم کے اعتبار سے بھی ہو سکتا یا

پھر ممکنہ طور پہ رنگ و نسل کے اعتبار سے تفریق و تقسیم بھی ہو سکتا ہے،

کہ اسی تقسیم سے ہم مختلف انسانی گروہ کے درمیان تمیز و امتیاز کر سکتے ہیں مگر سب تقسیمات میں سب سے اساسی تقسیم اور معیارِ تشخص نظریات ہوتے ہیں یعنی سب سے زیادہ اہم جو تقسیم و معیار تشخص ہے وہ نظریاتی تشخص ہے کہ آخر جن افراد کے بارے میں گفتگو کی جا رہی ہے ان کے نظریات کیا ہیں،؟ ان کے نظریات کے تشخص سے ہم ایک امتیازی فاصل حد مقرر کر سکتے ہیں کہ ایسے ایسے نظریات اس خاص گروہ کے ساتھ منسلک ہے اور ان نظریات کے حامل افراد اس گروہ میں شمار ہوتے ہیں، اور کون کونسے افراد اس گروہ میں شامل نہیں۔

اسی تمہید سے ہم نے یہ جانا کہ نظریات ہی وہ معیارِ تشخص ہے جس کے ذریعے ہم کسی مکتبۂ فکر کے بارے میں اساسی معلومات حاصل کر سکتے ہیں، اس لیے ہم الحاد کے تعارف کے بعد اب اس کے اساسی و بنیادی نظریات کے بارے میں گفتگو کریں اور جانیں گے کہ آخر الحاد اپنے نظریاتی تناظر میں کیسا ہے؟ اور کن کن نظریات کا حامل ہے۔

الحادی توصیفی حیثیت (Atheistic attribute status...

الحاد کے تعارف میں سب سے پہلے ہم نے اس کی جس توصیفی حیثیت پہ کلام کیا تھا وہ تھا اس کا ''انکاری تصور'' پر مبنی ہونا یعنی یہ ایک اثباتی مقدمے (الٰہیات و مذہب) کے مخالف ایک انکاری تصور ہے (الحاد)

اب چونکہ یہ ایک اختلافی تصور ہے تو یہ اپنی توصیفی حیثیت وماہیت کے تقاضے کے مطابق مذاہب سے بالکل الٹ نظریاتی فکر رکھے گا جس جس پہ مذہب ایک اثباتی نقطۂ نظر سے کلام کرے گا اس اس پہ الحاد ایک سلبی وانکاری نقطۂ نظر سے گفتگو ومخالفت کرے گا، یعنی یہ الحاد اپنی استقلالی نظریاتی فکر نہیں رکھتا بس یہ ایک ایسا نظریہ ہے جس کی بنیاد اپنی توصیفی حیثیت میں محض الہیات ومذہب کی مخالفت ہے، جیسے یہ کہتے ہیں نا! عدم اپنی ذات میں کچھ نہیں، نہ اس کی کوئی ذاتی حیثیت ہے بلکہ اس کی حیثیت اس کے سوائے کچھ نہیں کہ یہ وجود کی ضد ہے،،اسی طرح الحاد کی اپنی کوئی استقلالی حیثیت نہیں سوائے اس کے، کہ یہ مذہبی الہیات کا انکار کرے،،

یہی اس کی عدمی وسلبی توصیفی حیثیت ہے جس کی بنیاد پہ یہ مذہب والہیات کا منکر ہے اور اسی ضمن میں مذہب کے تمام تر نظریات سے اختلاف رکھتا ہے تو جب آپ یہ نکات سمجھ چکے ہیں تو آپ پر یہ حقیقت بھی واضح ہو جائے گی کہ الحاد کے نظریات کیا ہوں گے،

اسی کو ہم ذیل میں بیان کریں گے کہ الحاد کے کیا نظریات ہے؟؟

الحادی نظریہ برائے مذہب — Atheistic Theory of Religion

الحاد کے نظریے سے مذہب محض ایک فریب ہے جو قدیم زمانے میں انسان نے اپنی کمزوریوں کے باعث تخلیق کیا کہ جب اس نے دیکھا کہ بہت سے امور وقوع پذیر ہوتے ہیں جن کی توجیہ انسانوں کے پاس نہیں تو انہوں نے اس سب کو ایک خود ساختہ اختراعی خدا کی کاریگری قرار دے کر اس کی عبادت شروع کر دی، تمام مذاہب انسانی اختراع ہے مذہب کی کوئی حقیقت نہیں نا اس کی بیان کردہ تعلیمات درست ہیں۔

اسی جعلی مفروضہ کے تحت الحادیوں نے مذہب سے الٹ اپنے وجودیات وعلمیات، اخلاقات واقدار سمیت تصورِ انسان اور تصورِ کائنات گھڑ لیا

الحادی نظریہ برائے وجودیات وعلمیات — Atheistic Theory of Ontology and Epistemology

الحادی وجودیات وعلمیات کے نظریات کی بنیادی اساس تجربیت پرستی (Empiricism) منطقی ایجابیت (logical positivism) پر قائم ہے جس کی شدت کے نتیجہ میں مادیت پرستی (Materialism) کا نظریہ سامنے آتا ہے جس کے مطابق حقیقت صرف وہی ہے جس کا ادراک ہم اپنے حواس کے ذریعے کر سکتے ہیں جو ہمارے دائرہ ادراک کے باہر ہے اس کا وجود حقیقی نہیں ہے اسی نظریے کی روسے وجود کی حقیقت صرف مادے وطبعیات اشیاء ہیں اور مادے کے علاوہ کسی شئی کا وجود نہیں، ملحدین اپنے الحادی نظریۂ وجودیات وعلمیات کے ذریعے مذہب کے نظریات پہ حملہ کرتے ہوئے تمام تر غیر مادی حقائق اور مابعد الطبعیات وجودات مثلاً وجود باری تعالی، فرشتے،

روح، آخرت کا انکار کرتے ہیں

الحادی نظریہ برائے کائنات Atheistic Theory of Universe

الحادی نظریہ برائے کائنات اس مذہبی نظریئے کی شدید مخالفت کرتا ہے کہ اس کائنات کی تخلیق کے پیچھے خدا تعالیٰ کی ذات ہے بلکہ الحاد اس کائنات کی ابتداء کے بارے میں ثانوی مفروضات کو تسلیم کرتا ہے اور اس کو خدائی تخلیق کے متبادل سببِ تخلیق کائنات سمجھتا ہے، اس معاملے میں ملحدین باہم اختلاف میں مبتلا نظر آتے ہیں کوئی تقدیم کائنات The eternal universe کا قائل ہے تو کوئی نظریہ عظیم انفجار (Big bang) کے بعد اس کائنات کی ایک ابتدا کو مانتے ہیں مگر ساتھ پھر ثانوی غیر معقولی نظریات کو اپنائے ہوئے ہیں جس کے مطابق؛ خود تخلیق کار کائنات، Self-creating universe; یا ممکنہ طور پر اتفاقی کائنات The universe created by chance ہے

الحاد کائنات کی توجیہ کے لئے کسی بھی قسم کا مفروضہ اختیار کرتے ہیں جس سے خدا کے تصور کی نفی کی جا سکے، اسی کے ساتھ کائنات کے نظم وضبط اور بقا کے معاملے میں مذہب کے نظریئے کی مخالف میں قوانینِ فطرت laws of Nature کو نظم کا سبب قرار دیتے ہیں

الحادی نظریہ برائے انسانیت_Atheistic Theory of Humanity

الحادی نظریہ برائے انسانیت اپنے توصیفی حیثیت کے مطابق انسانی وجود کی تشریح میں مذہب کی مخالفت کرتا ہے کہ مذہب کے مطابق انسان خدا تعالیٰ کی سب سے عظیم، اعلیٰ، تخلیقی شاہکار ہے جس کو تمام تر مخلوقات پہ فضیلت حاصل ہے بلکہ اس کو اشرف المخلوقات کا لقب بھی دیا گیا ہے،

جبکہ الحادی نظریہ انسانیت اس کے برعکس انسان کو ایک اعلیٰ و عظیم تخلیق نہیں سمجھتا بلکہ (Darwinism) کے نظریہ ارتقاء کے تحت انسان کو ایک ادنیٰ سا حیوان قرار دیتا ہے جو ایک امیباء سے بتدریج ارتقاء کرتے ہوئے مختلف قسم کے جانور بن کر آج انسان بن گیا اس کی حیثیت ایک عام جانور کی سی ہے، اور اس کو دیگر جانداروں پہ کوئی ایسی فضیلت حاصل نہیں جو مذہب نے انسان کے بارے میں بیان کی ہے۔

الحادی نظریہ برائے اقدار و حقوق Atheistic theory of value and Basic rights

الحادی نظریہ برائے انسانیت نے جب انسان کے اساسی مقام و فضیلت کا انکار کر دیا جو مذہب نے اس کو دیا تھا تو از خود انسان کے اقدار و حقوق کا تصور فنا ہو جاتا، مگر پھر بھی برائے نام اپنے مفاد کی خاطر ملحدین نے تعقل کو سربراہ قرار دیتے ہوئے انسان کے لیے چند حقوق و اقدار کے ناقص نقشے کو ترتیب دیا مگر اس کی حیثیت بھی سطحی

ہے کہ جب مذہب کے پیش کردہ انسانی شرف کا ہی انکار کر دیا تو اقدار و حقوق سب موضوعی ٹھہرا کیونکہ انسان تو ایک عام سے ایباء کی ارتقاء یافتہ صورت ہے۔

الحادی نظریہ برائے مقصدیت Atheistic Theory of Objectivism

الحادی نظریہ برائے مقصدیت کی اساسی بنیاد الحادی نظریہ برائے انسانیت ہے کہ انسان محض ایک جانور ہے جو ارتقاء کی منزلیں عبور کرتے ہوئے یہ منطقی حیوان بنا تو جب یہ انسان ہے ہی جانور تو کیسا مقصد کیسی منزل سب چیزیں بالکل لا مقصدیت پہ قائم ہیں انسان کا کوئی مقصد نہیں انسان اپنے مقصد کا انتخاب خود کرے، وہ اپنے مقصد کے انتخاب میں بالکل آزاد ہے۔

الحادی نظریہ برائے حریت Atheistic Theory of Freedom

الحادی نظریہ برائے حریت اپنی اساسی فکر کے ساتھ مذہب کی عائد کردہ ذمہ داریوں اور حدود و قیود کی فحش مخالفت کرتا ہے اور اس کے مقابلے میں یہ نظریہ دیتا ہے کہ انسان کلی طور پہ آزاد ہے اس کو اختیار ہے جو چاہے کر گزرے کسی بھی قسم کی قید نہیں لگائی جاسکتی، کسی بھی فعل کو حرام قرار نہیں دیا جاسکتا، اگر وہ زنا کرنا چاہے تو کرے اگرچہ محرمات (ماں، بہن) سے ہی کیوں نا ہو، شراب پینا چاہے تو پئے، جوا کھیلنا چاہے تو کھیلے، الغرض اس کو مذہبی قیودات اور خدا کے احکام پہ عمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ملحدین حد سے زیادہ فعلِ قبیح کے مرتکب نظر آتے ہیں، یہی نظریہ انسان کے اندر حیوانی صفت پیدا کرنے کا سبب ہے۔

الحادی نظریہ برائے اخلاقیات Atheistic Theory of Ethics

الحادی نظریہ برائے اخلاقیات اپنے نظریاتی تقاضوں کے تحت مذہب کے تجویز کردہ ایک استقلالی نظام اخلاقیات کی تردید کرتا ہے کہ مذہب مسئلہ اخلاقیات (مسئلہ خیر و شر) کے متعلق انسان کے اندر ایک فطری حس کا اثبات تو کرتا ہے مگر اس کے ساتھ یہ خیر اور شر کے تعین کے لیے وحی کو اس کے حاکم کے طور پہ پیش کرتا ہے کہ خدا تعالی اپنے الہام وحی کے ذریعے اچھائی اور برائی کے درمیان فرق کو واضح کرتا ہے کہ یہ فلاں امر اچھائی ہے اور فلاں برائی ہے، یعنی یہاں اچھائی اور برائی کا معیار وحی الہی ہے۔

جبکہ الحادی نظریہ کے مطابق اخلاقیات کی کوئی استقلالی اساس نہیں ہے بلکہ یہ تو مذہب کا ایک فرسودہ تصور ہے ہمیں اخلاقیات کے تعین کے لیے کسی مستقل پیمانے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ اچھائی اور برائی کا تصور زمان و مکان کے تغیر کے ساتھ تبدیل ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ ایک خطے میں ایک کام غلط سمجھا جائے جبکہ

دوسرے خطے میں وہی کام اچھا ہو جسے کہ جسم فروشی کا کام ایک تہذیب میں غلط سمجھا جاتا ہے تو دوسری جگہ اچھا سمجھا جاتا ہو،

الحادی اخلاقیات نے اس اچھائی اور برائی کے درمیان اس حد فاصل کو ختم کردیا جس کے ساتھ ہم اپنے انسانی شرف و تشخص کو قائم رکھ سکتے تھے یعنی الحاد کے نزدیک کوئی چیز اچھی اور بری نہیں ہے،،

(نظریات کی نوعیت)۔۔ (Status of Theories)..

الحاد کے مندرجہ بالا تمام نظریات کو دیکھیے کہ الحاد نظریاتی اعتبار سے اپنی کوئی منفرد استقلالی فکر نہیں رکھتا بلکہ یہ تو صرف عدمی مکتبہ فکر ہے جو مذہب کے مقابل بالکل الٹ نظریہ رکھتا ہے کہ ہر ہر وہ معاملہ جس میں مذہب نے اثباتی موقف اختیار کیا وہیں الحاد نے اس نقطہ پہ اختلافی بیانیہ سامنے رکھ دیا، چاہے وجودیات وعلمیات کا معاملہ ہو یا اخلاقیات واقدار کا یا پھر تصورِ انسانیت و کائنات کا معمہ ہر ہر میدان میں ایک الٹ منطق اپنا کر مذہب کی نظریاتی مخالفت کی گئی ہے،الحاد کے اس مطالعاتی تجزیہ سے یہ واضح ہوگیا کہ الحاد کا تشخص اس کے سلبی وعدمی نظریات ہے جو اس کو معقولیت کے درجے سے گرادیتے ہیں۔

ترویجِ الحاد کے اسباب (قسط دوم)

فیصل ریاض شاہد

متکلمین اور فلاسفہ کے مباحث -

جدید الحاد اگرچہ اپنی شدت میں قدیم الحاد سے سخت ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جدید کی نسبت قدیم الحاد زیادہ مدلل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب کے پرانے لٹریچر میں خدا کے حوالے سے دقیق مباحث کثرت سے ملتے ہیں جبکہ جدید ڈسکورس خدا پر محض الزامات سے عبارت ہے۔ جدید الحادی لٹریچر اپنے دلائل اسلوب اور استدلال میں غیر پختہ ہے۔

یورپ اپنی فکر کا تانہ بانہ قدیم یونانی فلاسفہ کے ساتھ جوڑتا ہے۔ اس فکری تاریخ کا ایک سرا طالیس ملطی (تھیلز Thales) ہے اور دوسرا رچرڈ ڈاکنز ہے۔ مغرب کی یہ پچیس سو سالہ تاریخ فلسفے کی تاریخ ہے اور فلسفے کی تاریخ ہی الحاد کی تاریخ بھی ہے۔ مذہب کے مدمقابل فلسفہ ایک مستقل علم ہے، جو وحی کی ہدایت سے تو محروم ہے لیکن عقل انسانی کے نور سے منور ہونے کا مدعی ہے۔ لیکن یہی وہ نکتہ ہے جہاں سے فلسفے اور مذہب کے درمیان کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ اس کشمکش میں جہاں مذہب کے حق میں سینکڑوں متکلمین نے قلم اٹھایا وہیں سینکڑوں فلاسفہ نے مذہب پر تنقید بھی کی ہے۔ اس فکری جنگ میں وحی اور عقل دونوں ہی آمنے سامنے رہی ہیں۔ ان میں وجہ نزاع تشریحات نہیں بلکہ ایک دوسری کی حجت، مقام اور اتھارٹی ہیں۔ وحی عقل کو معاون کی حیثیت میں قبول کرتی ہے لیکن خدا سے آزاد عقل وحی کے وجود ہی کو رد کر دینا چاہتی ہے اور چاہتی ہے کہ ہر شے پر اپنا حاکمانہ تسلط قائم کر لے۔

فلاسفہ میں وحی و عقل کی یہ کشمکش ہمیشہ سے دلچسپی کا موضوع رہی ہے۔ سوال یہ تھا کہ کیا عقل کی طرح وحی بھی حصول علم کا کوئی ذریعہ ہے؟ کیا وحی کا امکان ہے؟ کیا وحی پر اعتماد کر کے انسانی زندگی کا رخ متعین کیا جا سکتا ہے؟ اور اگر وحی ممکن ہے تو عقل کی حیثیت کیا ہے؟ اگرچہ فلسفیوں نے ان سوالات پر سیر حاصل گفتگو کی ہے لیکن

اس بحث سے کوئی حتمی نتیجہ اخذ نہیں ہو سکا۔ یہ سوالات آج بھی من و عن موجود ہیں۔ اگر کچھ فرق آیا تو وہ مؤیدین اور منکرین کی تعداد میں آیا ہے۔ البتہ یورپ میں یہ بحث اسی دن ختم ہو گئی تھی جب عمانوکل کانٹ Kant نے مابعد الطبیعیات کو ناقابل معلوم قرار دے دیا تھا۔ اس کے بعد مغرب ایک نئی سمت میں چل پڑا جس کی منزل الحاد تھی۔ کانٹ سے پہلے بھی درجنوں مفکرین نے وجود باری تعالیٰ پر شبہات کا اظہار کیا تھا لیکن یہ ان کا انفرادی عمل تھا، کانٹ کے بعد مغرب نے الحاد کو بحیثیت مجموعی اختیار کر لیا

وجود باری تعالیٰ کی بحث بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنا کہ خود انسان پرانا ہے۔ لیکن اس بحث نے کبھی بھی شدت اختیار نہیں کی، حتیٰ کہ دنیا میں جہاں کہیں بھی مذاہب کی جڑ مضبوط رہی وہاں الحاد اور وجود باری تعالیٰ کی مباحث پر زیادہ غور ہی نہیں کیا گیا۔ لیکن مغرب چونکہ شروع ہی سے وحی کی ہدایت سے محروم رہا ہے اور چونکہ مغرب نے اپنے مذہب عیسائیت کا بھی حلیہ بگاڑ ڈالا اس لئے وہاں فلسفے اور تشکیک نے خاص طور پر نشو نما پائی۔ جب خدا کی ذات پر سوالات اٹھائے گئے تو دو طرح کے مفکرین سامنے آئے جن میں سے بعض نے اپنے خدا اور مذہب کی حمایت کی اور بعض نے تشکیک اور انکار کا راستہ اپنا۔ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ متکلمین کا گروہ خدا کے وجود کو علمی طور پر ثابت کرنا چاہتا تھا اور فلاسفہ کا گروہ ان کے استدلات میں نقائص تلاش کر کے اسے رد کر دینا چاہتا تھا۔

وجود باری تعالیٰ کے اثبات میں مسیحی متکلمین نے متعدد منطقی آرگومینٹ پیش کئے کہ جن سے ان کے نزدیک خدا کا وجود ثابت ہو جاتا تھا۔ ان دلائل کو بعد ازاں مختلف نام دے دئے گئے اور اب یہ دلائل وجود باری تعالیٰ کی کونی، وجودی اور غائی دلیل وغیرہ کے ناموں سے معروف ہیں۔ وجود باری تعالیٰ کے ان دلائل کی صحت پر فلاسفہ نے شدید قسم کے اعتراضات اٹھائے اور کہا کہ اگر بالفرض ان دلائل سے کوئی خدا ثابت ہو بھی جائے تو وہ ایسا خدا نہیں کہ جس کا تعارف ہمیں عیسائیت، یہودیت، اسلام یا دیگر مذاہب کرواتے ہیں۔ ان مذاہب میں خدا ایک زندہ و جاوید، قادر مطلق اور رحمان و رحیم شخصی وجود ہے جس نے اپنے ارادے اور اختیار کے ساتھ اس کائنات کو عدم سے وجود بخشا لیکن فلاسفہ کے نزدیک متکلمین کے دلائل سے محض کسی مجہول علت العلل اور کسی بے جان اندھے گونگے بہرے خدا کا اثبات ہوتا ہے جس کی حیثیت محض ایک توجیہی اصول کی ہے۔ ان دلائل کی صحت اور

ان سے کیا ثابت ہوتا ہے اور کیا نہیں، یہ فی الوقت ہمارے موضوع سے خارج ہے، ان شاءاللہ دوبارہ کسی موقع پر اس حوالے سے مفصل گفتگو کی جائے گی البتہ یہاں مقصود صرف یہ ہے کہ وجود باری تعالیٰ کے کلامی دلائل پر قدیم وجدید ہر طرح کے فلسفیوں نے تحفظات کا اظہار کیا ہے۔اور یہ ایک حقیقت کے طور پر مانا جارہاہے کہ وجود باری تعالیٰ کے اثبات کے کلامی دلائل اپنے مدعا میں ناکام ہیں اس لئے خدا کا نہ ہونا اس کے ہونے سے زیادہ ریشنل ہے۔ **دور حاضر کے ملحدین کی اکثریت نے اسی وہم کی بنیاد پر مذہب کو ترک کیا ہے۔**

الحاد کے معاشرتی ذرائع اور ان کا سد باب

حافظ جمشید ابن جنید

ہمارے معاشرے میں الحاد کے جو محرکات ہیں ان پر گفتگو سے قبل میں الحاد کے ابتدائی دور سے اب تک بڑھنے کے جو عوامل ہیں ان پر بات کرتا ہوں. میں الحاد کے عوامل کو تین ادوار میں تقسیم کرتا ہوں

(۱) ابتداء

اسکو باقاعدہ 17 صدی سے شمار کیا جاتا ہے اس دور میں الحاد کے محرکات میں سب سے بنیادی سبب مذہبی تعصب اور ظلم تھا جو کہ عیسائی کلیسا کی حکمرانی کی بناء پر تھا کیونکہ عیسائی مذہب اپنی اصل سے بالکل ہٹ چکا تھا جس وجہ سے وہ خدا کے پیغام کو بھول کر نفس پرستی میں مبتلا ہوئے اور انہوں نے انسانیت کے تشخص کو بھی پامال کیا. کلیسا کے مظالم نے بہت سے اذہان میں مذہب کے بارے میں تشکیک پیدا کر دی جو لوگ کچھ حد تک مذہب کو مانتے تھے لیکن مذہب والوں سے تنگ تھے انہوں نے نیا فرقہ پروٹسٹنٹ ایجاد کیا جس کو کلیسا کا باغی بھی کہا جاتا ہے لیکن جو مطلقاً مذہب سے بیزار ہو چکے تھے وہ لوگ الحاد کی طرف چلے گئے یہ الحاد کا ابتدائی دور تھا

(۲) وسط

18 صدی کے اواخر سے اس دور کا آغاز ہوتا ہے یہ دور وہ ہے جس میں تحقیقات کا دخل ہے اس دور میں بہت سے مغربی علماء نے مشرقی علوم کو سیکھ کر ان پر تحقیق شروع کی ان لوگوں کو مستشرقین Orientalists کہا جاتا ہے ان لوگوں میں ایک طبقہ عیسائی و یہودی تھا جو کہ غیر جانبدار ہونے کی بجائے جانبدار بن گئے اور اسلام اور مسلمانوں پر اپنی تنقیدات کی بوچھاڑ کر دی انکے اعتراضات کا ایک حصہ تو بالکل خیالی تھا جس کا اسلام سے بالکل بھی تعلق نہ تھا خیر اس دور میں مشرقی ممالک میں بھی تشکیک کا دروازہ کھل گیا

۳) حاضر

سابقہ گفتگو ایک تمہید کے طور پر تھی جس سے عصر حاضر کے عوامل سمجھنے میں آسانی رہے گی موجودہ دور میں الحاد کے بڑھنے کے درج ذیل عوامل ہیں:

۱) اہل علم کی عدم توجہ

یورپ میں جدت پسند طبقے عروج پکڑ رہے تھے جس سے مشرقی لوگ بھی متاثر ہو کر خود کو ماڈرن کرنا پسند کرنے لگے اس صورتحال میں بہت سے سوالات نے نوجوان نسل کو تشکیک میں مبتلا کر دیا اب وہ اپنے سوالات اپنے قریبی ان علماء سے پوچھتے جو در حقیقت مکمل عالم نہ تھے جس کی وجہ سے وہ جوابات نہ دیتے اور نوجوان آخر کار ارتداد کے ہاتھ لگ جاتے

۲) سائنٹزم

سائنسی انکشافات نے جب فلکیات کے چند راز افشاں کیے تو اسکو عار بنا کر ملحدین نے مذہب کو دقیانوسی اور سائنس کا مخالف ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی اس کشمکش میں وہ لوگ ارتداد کا شکار ہوئے جو سائنس کی غیر حتمی باتوں کو بھی مذہب پر ترجیح دیتے تھے

۳) میڈیا

ہمارے معاشرے میں مذہب بیزاری کی روایت فلم سازی اور ڈرامہ کے ذریعے بھی کی گئی جس سے آپ بھی واقف ہیں کہ جس طرح ذہن سازی کا کام ان سے لیا جاتا ہے

۴) جدید افکار

اس میں وہ تمام طبقات شامل ہیں جو مذہب میں جدت پسند ہیں کیونکہ الحاد کو ایک راستہ یہ گروہ بھی مہیا کرتا ہے کہیں نصوص کا انکار کرتا ہے تو کہیں ماخذ دین کا جس کی وجہ سے اسلام کی بنیادی چیزوں کے بارے میں منسلک لوگوں کے ذہن تشکیک میں مبتلا ہو جاتے ہیں

سدباب کی صورتیں

الحاد ایک تصوراتی بیماری ہے اس بیماری کا بھی سدباب ممکن ہے جس کے لیے ہم چند صورتیں ذکر کرتے ہیں

۱)تقابل ادیان

اس شعبہ پر کام کی کمی کی وجہ سے نوجوان نسل اسلام کو بھی دیگر مذاہب کی طرح دیکھتی ہے جیسے ہر مذہب کے فرقے یا کتب ہیں اسلام میں بھی ہے وہ لوگ گمان کر بیٹھتے ہیں کہ اسلام بھی رسمی مذہب ہی ہے جو انسان کا بنایا ہوا ہے جبکہ اسلام کا دیگر مذاہب سے یا بانیان مذاہب کا آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دیگر کتب کا قرآن مجید سے تقابل کروایا جائے تو اسلام کی حقانیت ہر ایک پر روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی مثال کے طور پر 1933 میں ایک مجلہ شائع ہوتا تھا جس کا نام Islamic Review تھا اس میں نو مسلم شخصیات اپنا واقعہ بیان کرتی تھیں کہ کس طرح انہوں نے دیگر مذاہب سے اسلام کا تقابل کیا اور اسکو سچا جانا تقریباً 200 کے قریب معروف افراد تھے جنہوں نے ایسی تحقیقات سے اسلام قبول کیا تو ضروری ہے اس شعبہ میں موجود لوگ اور دیگر اہل علم اس پر تحقیقی کام پیش کریں

۲)سائنس اور اسلام

اس موضوع کو بالکل واضح کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ایک مذہبی طبقہ سائنس کو بالکل ہی غلط قرار دیتا ہے جس کی وجہ سے نوجوان انکو تنگ نظر سمجھ کر اسلام کے مخالف ہو جاتے ہیں اور ایک طبقہ سیکولر بن جاتا ہے کہ مذہب اور سائنس کو جدا رکھو دونوں ایک دوسرے میں مداخلت نہیں کر سکتے ہیں جبکہ سائنس صرف ایک Tool ہے جو ہمیں ہر چیز کے بارے میں اٹھنے والے سوال How کیسے؟ کا جواب دیتی ہے جبکہ مذہب ہر چیز کے بارے میں اٹھنے والے سوال Why کیوں؟ کا جواب دیتا ہے یہ فرق واضح کرنے کی اشد ضرورت ہے یونیورسٹی کے طلبہ اسی غلط فہمی کی بناء پر متشکک ہو جاتے ہیں

۳)الحاد کا مطالعہ

الحاد کا اصل نظریہ کیا ہے؟ الحاد کی تاریخ کیا ہے؟ الحاد کے مقاصد کیا ہیں؟ کیا الحاد نظام حیات مہیا کرتا ہے؟ ان جیسے سوالات پر ہمیں خود کام کر کے نوجوان نسل کو دکھانا چاہیے کہ الحاد کی اصل صورت کیا ہے کیونکہ وہ صرف ملحدین سے اسلام مخالف مواد لیکر گمراہ ہو جاتے ہیں لیکن انکو علم نہیں ہوتا کہ الحاد خود کیا چیز ہے؟ وہ مذہب کو تو انسانیت کا مخالف سمجھ لیتے ہیں لیکن تاریخ سے ناواقفیت کی وجہ سے اس بات سے نابلد ہوتے ہیں کہ تاریخ میں

انسانیت کے سب سے بڑے قتل الحاد کے ہاتھوں ہوئے لہذا اس سے پہلے کہ نوجوان انکے اعتراضات سن کر متشکک ہوں انکو پہلے سے الحاد کا بتادیا جائے کہ یہ کتنی خطرناک چیز ہے جو انسان کو جانور بنادیتی ہے

(۴) جوابات

ملحدین کے بنیادی اعتراضات پر ایک جامع کتاب لکھی جائے جس پر تمام مکاتب فکر اتفاق کر کے اس پر تقاریظ لکھیں جس سے یہ تاثر بھی ختم ہو جائے کہ ملحدین کے اعتراضات کا جواب ہر فرقے کا اپنا ہے کوئی دوسرے کی بات نہیں مانتا وغیرہ

(۵) مکالمات

ہمارے سنجیدہ اسک؛ لرز کو آگے بڑھ کر معروف ملحدین سے مکالمات کرنے چاہیے جیسے حمزہ اینڈریاس تزار تزس، دانیال، مفتی یاسر ندیم واجدی صاحب وغیرہ کر رہے ہیں کیونکہ ایسا نہ کیا جائے تو یہ تاثر جاتا ہے کہ ان سے بات کرنے والا کوئی نہیں جس سے نوجوان کبھی متاثر بھی ہو جاتے ہیں لہذا اس پر بھی کام ہونا چاہیے

سد باب کی اہمیت

اس کا سد باب کرنا اور دین کا دفاع کرنا ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مفتی ضیاء احمد قادری صاحب اپنی تفسیر ناموس رسالت میں لکھتے ہیں کہ "فرض عبادت سے افضل دین کا دفاع ہے" اس سے بڑھ کر تو اور کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے آج کل سرد جنگ کا زمانہ ہے آجکل نظریاتی جنگ کا میدان ہے اگر ہم سد باب کے لیے ان نظریاتی صورتوں کو نہیں اپناتے تو نتیجہ آپ کے سامنے ہے

وجودِ خدا کا انکار ناممکن ہے

محمد اسامہ مصطفائی

خدا کے وجود کا سوال ہمیشہ سے انسانی فکر کا مرکزی نکتہ رہا ہے۔ لیکن یہ سوال در حقیقت "وجود" کے انکار یا اقرار سے زیادہ، اس کے تصور کی تفہیم سے جڑا ہوا ہے۔ کوئی بھی سنجیدہ فلسفی یا حقیقی سائنس دان ایسا نہیں جس نے مطلقاً خدا کے انکار کا عقلی مقدمہ قائم کیا ہو، کیونکہ انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم حقیقت کے کسی نہ کسی درجے میں خود کو خود کفیل، مکمل اور کسی خارجی اصول کے محتاج نہ مانیں۔

اور یہ دعویٰ نہ فلسفے میں ثابت کیا جاسکا، نہ سائنس میں۔

اصل اختلاف اس بات پر ہے کہ "خدا" سے مراد کیا ہے۔ کچھ لوگ اس کائنات کو ہی الوہیت کا مظہر سمجھتے ہیں، یعنی وہ اسے خود اپنا سبب اور اپنی غایت قرار دیتے ہیں۔ یہ وہی تصور ہے جو پینتھیزم (Pantheism) کے نام سے جانا جاتا ہے، جہاں کائنات ہی سب کچھ ہے اور اس سے باہر کسی ذی شعور، ارادے کے حامل خالق کی کوئی گنجائش نہیں۔ دوسری طرف، ایک دوسرا نظریہ ہے جو اس کائنات کو ایک مستقل وجود رکھنے والی ہستی کی تخلیق سمجھتا ہے، یعنی وہ ایک ماورائی، قادرِ مطلق اور شعور و ارادے سے لبریز ذات کو اس کا خالق تسلیم کرتا ہے۔

اگر ہم عقلی بنیاد پر تجزیہ کریں تو یہ سوال خود پیدا ہوتا ہے کہ: کیا مادی کائنات، جو مسلسل تغیر پذیر ہے، خود اپنا سبب ہو سکتی ہے؟ کیا تغیر، جسے ہم ہر لمحہ دیکھتے ہیں، کسی ماورائی، غیر متغیر حقیقت کا محتاج نہیں؟ فلسفے میں علت و معلول (Cause and Effect) کا بنیادی اصول یہی کہتا ہے کہ ہر حادثہ کسی علت کا محتاج ہوتا ہے، اور یہ سلسلہ لامتناہی نہیں جا سکتا، کیونکہ اگر ہر چیز کسی اور پر موقوف ہو تو کہیں نہ کہیں ایک ایسی حقیقت کا ہونا ضروری ہوگا جو اپنی علت خود ہو، یعنی جو واجب الوجود ہو۔

یہی وہ نکتہ ہے جہاں خدا کا تصور محض ایک مذہبی عقیدہ نہیں رہتا، بلکہ ایک منطقی و عقلی ضرورت بن جاتا ہے۔ پس، اختلاف در حقیقت اس بات پر نہیں کہ "کسی "حقیقت کا وجود ہے یا نہیں، بلکہ اس پر ہے کہ وہ حقیقت کیا ہے: ایک اندھی مادی قوت، یا ایک زندہ، باشعور، اور ارادے والی ذات؟"

ہندومت کا تصورِ الٰہیت اور بت پرستی

محمد ذوالقرنین البریلوی

ہندو مذہب میں خُدا کا تصور تقریباً تمام مذاہب سے الگ ہے، ہندو مذہب میں ایک خُدا نہیں بلکہ کئی ہزار خُدا ہیں، ہر چیز کا کوئی نہ کوئی الگ خُدا ہے، اور ہندوؤں نے ان تمام خُداؤں کی کوئی نا کوئی مورتی (مجسمہ/بُت/تصویر) بنا رکھی ہے کہ فلاں بھگوان کی مورتی یہ ہے یعنی یہ بھگوان ایسا دکھائی دیتا ہے۔

جبکہ ہندو مذہب کی کتب کی تعلیمات اس تصور کے بالکل اُلٹ ہیں، جہاں ہندوؤں نے بھگوان کی کئی مورتیاں بنا رکھی ہیں، وہیں پر دوسری طرف ہندو کتب کے مطابق بھگوان کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا اور نہ ہی اُس کی کوئی تصویر یا مورتی ہے،

ذیل میں ہندو کتب کی عبارات مُلاحظہ فرمائیں۔

ہندوؤں کی سب سے معتبر کتاب "Yajurveda" جو ہندوؤں کے مطابق 1200 سے 800 قبل از مسیح میں لکھی گئی میں لکھا ہے!

."There is none and nothing like Him, no picture, no icon"[1]

ترجمہ:

"اس (بھگوان/خُدا) جیسا کوئی اور کچھ نہیں، نہ کوئی تصویر، نہ کوئی مورتی"۔[2]

یجر وید میں ایک اور مقام پر ہے!

."The Supreme Soul is without body, pure and sinless"[3]

ترجمہ:

---

[1] Yajurveda, Chapter 32, Verse 3

[2] یجر وید، باب 32، فقرہ 3

[3](Yajurveda, Chapter 40, Verse 8)

"روحِ اعلیٰ (بھگوان) جسم کے بغیر، پاک اور بے گناہ ہے"۔
اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندو مذہب کی تعلیمات کے مطابق بھگوان (خدا) کا نہ ہی کوئی جسم ہے اور نہ ہی کوئی تصویر یا مورتی، جبکہ ہندوؤں نے بھگوان کو ایک انسانی جسم دے کر اُس کی مورتیاں بنا رکھی ہیں جس کو وہ پوجتے ہیں۔

ہندوؤں کی ایک اور معتبر کتاب "Svetasvatara Upanishad" جو ہندوؤں کے مطابق 500 سے 400 قبل از مسیح میں لکھی گئی میں لکھا ہے!

"We call Him Great Glory, but there's no image of Him. He can be seen, not with the eyes, but with consciousness[4]."

ترجمہ:
"ہم اُسے (بھگوان/خدا کو) عظیم الشان کہتے ہیں، لیکن اس کی کوئی تصویر/مورتی نہیں ہے، اسے آنکھوں سے نہیں دیکھا جاسکتا بلکہ احساس سے دیکھا جاسکتا ہے (یعنی صرف محسوس کیا جاسکتا ہے)"۔
اس ہندو صحیفے کے مطابق بھی بھگوان کی کوئی تصویر یا مورتی نہیں اور نہ ہی کوئی اُس کو جسم کی آنکھ سے دیکھ سکتا ہے۔

ایک ہندو مصنف "Sanjay Sonawani" بھی اپنی کتاب "Origin Of Vedic Religion" میں لکھتا ہے!

"we do not find any reference to the idol worship. Rather idolatry appears to be prohibited in the Vedic religion, "Na tasya Pratima asti" (There is no image of Him.) [Yajurveda 32:3][5]."

ترجمہ:

[4](Svetasvatara Upanishad, Chapter 4, Verse 18

[5] Origin of Vedic Religion, Chapter 3, Page 70

"ہمیں بت پرستی کا کوئی اشارہ نہیں ملتا، بلکہ بت پرستی ویدک مذہب میں ممنوع دکھائی دیتی ہے (آگے مصنف یجروید کی عبارت نقل کرتا ہے کہ) اُس (بھگوان) کی کوئی تصویر نہیں ہے"۔

آگے لکھتا ہے!

".The God has no image because to Vedics He is formless"[6]

ترجمہ:

"خدا کی کوئی تصویر/موتی نہیں ہے کیونکہ ویدکوں کے مطابق وہ بے شکل وصورت ہے"۔

ایک اور ہندو راہب اور مصنف "Swami Vivekananda" اپنی کتاب " Saving Humanity" میں "ہندوازم میں خُدا کا تصور" بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے!

"There is no likeness of Him. The following verses from the Upanishad allude to the inability of man to imagine God in a particular form, His form is not to be seen, no one sees Him with the eye[7]."

ترجمہ:

"اس کی کوئی مورت نہیں ہے۔ اپنشد کی مندرجہ ذیل آیات انسان کے خدا کو کسی خاص شکل میں تصور کرنے سے قاصر ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہیں، (پھر اپنشد کی ایک اور عبارت نقل کرتا ہے کہ) اس کا وجود دکھائی نہیں دیتا، کوئی اُسے آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا"۔

ماحصل کلام

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو راہب بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ بھگوان (خُدا) کی کوئی مورتی نہیں، نہ ہی اُس کو کسی صورت میں تصور کیا جا سکتا ہے، بلکہ ویدک تعلیمات میں بُت پرستی کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ بھگوان کی مورتیاں بنا کر اُن کو پوجا جائے۔

[6] Origin of Vedic Religion, Chapter 3, Page 71

[7] Saving Humanity, Page 111

ان دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندو تعلیمات کے مطابق بھگوان (خُدا) کو کسی نے نہیں دیکھا، نہ ہی وہ کوئی جسم رکھتا ہے، نہ ہی اُس کی کوئی تصویر یا مورتی ہے، اس لیے ہندوؤں کو چاہیے کہ اپنی کتب کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے حق کو قبول کریں اور ان مورتیوں کے جال سے خود کو بچائیں۔

معرکہ مذہب و سائنس

Book Name: A History of Conflict between Religion and Science

محمد یاسر مشتاق

مصنف؛ڈاکٹر جان ولیم ڈریپر

مترجم؛مولانا ظفر علی خان

مقدمہ؛ بابائے اُردو مولانا عبدالحق صاحب

کتاب کا اُردو ترجمہ جو کہ مولانا ظفر علی خان صاحب نے کیا اس کے متعلق بابائے اُردو کی رائے ملاحظہ فرمائیں:

میں اس موقع پر اس امر کا اظہار واجب سمجھتا ہوں کہ اس کتاب کا ترجمہ ایسا ہوا ہے کہ اُردو زبان میں یادگار رہے گا۔ جہاں تک میرا علم ہے اُردو زبان میں یہ پہلی علمی کتاب ہے جس میں اصل کتاب کے زور اور فصاحت کو بعینہٖ قائم رکھا گیا ہے۔ اس کتاب کے ترجمے میں دو بڑی مشکلیں تھیں ایک تو علمی اصطلاحات و علمی مباحث۔ دوسری زبان کی خوبی و فصاحت۔ اُردو زبان میں ان دونوں چیزوں کو قائم رکھنا بہت دشوار کام تھا۔ مگر مولانا ظفر علی خان صاحب نے جو درحقیقت قابل مبارک باد ہیں اس مشکل کو نہایت خوبی سے آسان کر دیا ہے لیکن یہ اسی سے ہو سکتا ہے جس کے قلم میں اس قدر زور اور جسے زبان پر اس قدر قدرت ہو جیسی فاضل مترجم کو حاصل ہے۔

اپنے موضوع کے لحاظ سے کتاب تو ویسے ہی بہترین تھی مزید اس پر بابائے اُردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کے مبسوط عالمانہ مقدمہ نے سونے پر سہاگا والا کام کیا چنانچہ مذہب اور سائنس کے مابین مفاہمانہ نظر و فکر کے لیے جہاں بلند پایہ عالم ہونا شرط تھا وہیں اس امتیازی مسند پر متمکن ہونے کے لیے وسعتِ نظر و قلب جیسے اوصاف کا وجود بھی ناگزیر تھا۔

چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں

1) مذہب اور سائنس کی معرکہ آرائی پر فاضل مصنف ڈاکٹر ڈریپر نے دنیا کے تمام علوم، مذاہب اور انسانی فطرت پر ایسی غائر اور وسیع نظر ڈالی ہے کہ گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

2) جذبات کا کام عقل کو تحریک دینا ہے جبکہ عقل کا کام جذبات کو اعتدال پر لانا ہے وہ ایک دوسرے کی امداد کے لیے ہیں نہ کہ زائل کرنے کے لیے۔

3) مذہب کا کام عقل اور جذبات میں اتحاد پیدا کرنا، ظاہر و باطن میں موافقت قائم رکھنا، ایک دوسرے کو حدِ اعتدال سے نہ بڑھنے دینا جسم کے افعال کو عقل و جذبات کے زیرِ حکومت رکھنا مذہب کا کام ہے۔

4) انسان کو فطرتاً دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے

ایک علم کی، دوسری محبت کی، علم کا تعلق عقل سے ہے اور محبت کا جذبات سے، عقل چاہتی ہے کہ سب میرے تابع ہوں اور میرے اشارے پر چلیں۔ جذبات کہتے ہیں کہ ہم سب کو دبا کر رکھیں اور من مانی حکومت کریں۔

مذہب کا تعلق ان دونوں سے ہے وہ عقل سے جذبات کی روک تھام کا کام لیتا ہے اور جذبات سے عقل کے ہوش و حواس درست کرتا ہے۔

5) سائنس اور مذہب میں اختلاف اور مخالفت کیوں ہے ؟؟ غور کرنے پر معلوم ہو گا کہ اس اختلاف و مخالفت کی کوئی وجہ نہیں یہ محض غلط فہمی پر مبنی ہے۔

بعض اہلِ سائنس جنہیں خدا نے اعلیٰ دماغ عطا کیا ہے یہ سمجھتے جاتے ہیں کہ مذہب اور سائنس میں کوئی مخالفت نہیں اور وہ اس مادی عالم کے پرے ایک اور عالم کے بھی قائل ہوتے جاتے ہیں۔

اسلوبِ مصنف:

مذہب اور سائنس کی تاریخی مخاصمت کے حوالے سے اس کتاب میں مصنف نے مختلف مقامات پر حسبِ ضرورت مختلف اسالیب اختیار کیے ہیں۔

چنانچہ تعارفی، تجزیاتی و تنقیدی انداز اختیار کیا ہے تو کہیں تحقیقی انداز اپنایا ہے۔

مضمون زیرِ بحث پر اس طور سے نظر ڈالتے وقت میں (مصنف) نے معتدل یا متوسط آراء کو معرض بحث میں لانا ضروری خیال نہیں کیا۔ اس لیے کہ اگرچہ فی نفسہ ان کے قیمتی و گرانمایہ ہونے میں شک نہیں لیکن اس قسم کے مباحث میں غیر طرف دار اور انصاف پسند ناظرین کو اعتدال پسندوں سے نہیں بلکہ انتہا پسندوں سے بحث ہوتی ہے اور انتہا پسندوں کی افراط و تفریط ہی سے نتائج مرتب ہو سکتے ہیں

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ میں (مصنف) نے مسیحیت کی دو بڑی شاخوں یعنی کلیسائے پروٹسٹنٹ اور کلیسائے یونان کا ذکر بہت کم کیا ہے۔ ثانی الذکر نے سائنس کے احیا کے وقت سے ترقی علوم و فنون کی کبھی مخالفت نہیں کی بلکہ الٹا اس کا خیر مقدم کیا ہے۔

جبکہ ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کہتے ہیں کہ فاضل ڈاکٹر (ڈریپر) نے ایک بڑی غلطی کھائی ہے وہ یہ کہ جسے وہ مذہب کہتے ہیں وہ در حقیقت مذہب نہیں بلکہ رومن ازم ہے اور جتنے حملے بھی انہوں نے مذہب پر کیے ہیں وہ بلاشبہ رومن ازم پر ہیں مذہب پر نہیں۔ بلکہ میں (عبدالحق)

یہاں تک کہتا ہوں کہ عام مذہب تو کیا خود مسیح کے مذہب پر بھی ان حملوں کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

کتاب پر تبصرہ:

- جدید ذہن کے چند اشکالات اور مغالطے
- مذہب ہمیشہ سائنس کی تردید کرتا ہے
- مذہب سائنسی ایجادات کی مخالفت کرتا ہے
- مذہب انسان کو سست اور کاہل بنا دیتا ہے
- مذہب انسانی تمدن کو جمود کا شکار کر دیتا ہے
- مذہب اور سائنس کا اجتماع ناممکنات میں سے ہے
- مذہب انسانی فکر کی نشو و نما کو پابند سلاسل کر دیتا ہے
- مذہب مادی ترقی کو روک دیتا ہے۔۔۔ وغیرہ وغیرہ

یہ سب یورپ میں پاپائیت اور رومن ازم کے خلاف سائنس اور فلسفہ کی مزاحمتی تحریکوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والی فکر کا تسلسل ہے جو دنیا بھر کے مسلم و غیر مسلم ممالک میں شکل و صورت بدل بدل کر نمودار ہوتا رہتا ہے۔

کسی بھی سیاسی، سماجی، معاشی و معاشرتی مسئلے کو مختلف پہلوؤں سے دیکھا اور پرکھا جا سکتا ہے ہمارے پیش نظر اس وقت جدیدیت سے متعلق مختلف فکری تحریکوں کے نتیجے میں ہمارے ہاں در آنے والے غیر اسلامی افکار و نظریات کا تاریخی پس منظر ہے۔

ہم اپنے ارد گرد مختلف افکار و نظریات کی حامل سیاسی، سماجی، مذہبی و مسلکی تحریکوں کا مشاہدہ اپنی روزمرہ زندگی میں کرتے رہتے ہیں۔ ان سب تحریکوں کا ایک خاص تاریخی پس منظر ہوتا ہے۔ کسی بھی تحریک اور اس سے متعلق نظر و فکر کو کماحقہ سمجھنے کے لیے موجودہ احوال کے ساتھ ساتھ اس مخصوص تاریخی پس منظر کا مطالعہ بھی ناگزیر ہوتا ہے جس میں وہ تحریک پروان چڑھی ہوتی ہے۔

(جملہ مُعترِضہ کے طور پر یہاں یہ بات بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علماء کرام اور وارثین محراب و منبر کے لیے متعدد وجوہ کی بنا پر جدیدیت کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

جدید ذہن کے شبہات اور اشکالات کا آپ اسی وقت سامنا کر سکتے ہیں جب آپ نے جدیدیت کا مطالعہ کر رکھا ہو جبکہ مطالعہ نہ ہونے کی صورت میں سوال پر پابندی کی فکر کو رائج کرنے میں آپ پیش پیش دکھائی دیں گے حالانکہ سوال پر پابندی مسائل کا حل بلکل نہیں بلکہ اس سے وہی مسائل ایک عرصہ کے بعد زیادہ خطرناک روپ اختیار کر کے نمودار ہوتے ہیں۔۔اور پاپائیت کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ بات بلکل مخفی نہیں)۔۔۔

معزز قارئین کرام!!

یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد بہت سے معاملات میں یورپ نے مثالی ترقی کی بلخصوص سائنسی علوم و فنون اور جدید ایجادات واکتشافات کے میادین میں۔ دنیا بھر کی مسلم و غیر مسلم اقوام نے یورپ کی اس ترقی سے مختلف صورتوں میں استفادہ کیا۔ اس تمام تر بین الاقوامی صورتحال میں یورپین تہذیب و تمدن کو اسی طرح غلبہ حاصل ہو گیا جو کسی زمانے میں ہمہ جہت فتوحات کے نتیجے میں مسلمانوں کو حاصل ہوا تھا نتیجتاً مسلمانوں نے اقوام عالم کے مرکز و محور کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔

لیکن ایک فرق جو دونوں میں واضح طور پر دیکھا گیا وہ یہ ہے کہ مغربی اقوام نے جب مسلمانوں سے اکتسابِ فیض کیا تو انہوں نے کبھی اسلامی تہذیب و تمدن کو عملاً قبول نہیں کیا۔ ظاہری خد و خال تو رہے اپنی جگہ مغربی اقوام نے اس معاملے میں اس حد تک اہتمام کیا کہ مسلمانوں سے علمی استفادہ کرتے ہوئے اور اہم ترین علوم و فنون کو اپنی زبانوں میں منتقل کرتے ہوئے ان میں سے اسلامی رنگ کو زائل کرنے کا خصوصی التزام کیا جبکہ یورپین اقوام کی ترقی کے بعد مسلمانوں کا طرزِ عمل اس کے برعکس نظر آتا ہے۔ مسلمانوں نے بجائے یہ کہ سائنسی علوم و فنون میں ترقی کرنے کے لیے یورپ سے استفادہ کرتے اسے ثانوی درجے پر رکھتے ہوئے مغربی تہذیب و تمدن کو گلے سے لگانے کو ترقی کا نام دے کر اپنی تہذیب و تمدن اور مذہبی و سماجی اقدار کو ترقی کی راہ میں بڑی رکاوٹ قرار دے کر پسِ پشت ڈال دیا۔

اہلِ علم کے ہاں عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ یونانی مفکرین علوم و فنون کا بیج بونے والے تھے پھر اس بیج کو صحت مند اور توانا پودا بنانے کا شرف مسلمانوں کو حاصل رہا۔ پھر اس صحت مند پودے کا پھل دار درخت بننے تک کا سفر یورپ کی رہین منت رہا ہے۔

تیسرے مرحلے پر یعنی پھل دار درخت بننے کے مرحلے میں یورپین سائنسدانوں کو پاپائیت کی جانب سے جن پریشانیوں، آزمائشوں، رکاوٹوں، مصیبتوں اور مظالم کا سامنا کرنا پڑا انہیں انسانی تاریخ کا المیہ تصور کیا جاتا ہے اس المیے کے نتیجے میں بہت سی مزاحمتی نظری و فکری تحریکوں نے جنم لیا۔ اس المیہ کو چونکہ یورپ میں مذہب و سائنس کی معرکہ آرائی کے طور پر دیکھا گیا تھا۔ تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ اس موقع پر سائنس کو واضح فتح حاصل ہوئی اور یورپین اقوام نے شعوری اور غیر شعوری طور پر رومن ازم (مسیحیت) کی شکست کو تمام مذاہب کی شکست اور تمام مذاہب کے مقابل سائنس کی فتح تصور کیا۔

چنانچہ یہ بلکل واضح ہے کہ مغرب میں عوم و فنون اور سائنسی ایجادات و اکتشافات کا حصول پاپائیت کے خلاف ان نظری و فکری مزاحمتی تحریکوں کے نتیجے میں ممکن ہو سکا جو مغربی اقوام کی سَرِشْت کا حصہ بن گئیں تھیں۔

لیکن لیکن لیکن

مسلمانوں کا مخصوص گروہ اس معاملے میں بہت زیادہ مغالطے کا شکار دکھائی دیتا ہے۔

چنانچہ یہ لوگ سب سے اول جس غلطی میں مبتلا ہیں وہ یہ ہے کہ

جدید علوم و فنون، سائنسی ایجادات واکتشافات اور مادی ترقی کے مختلف میدانوں میں ترقی کے لیے مغربی تہذیب و تمدن کی کامل اتباع کو بنیادی شرط قرار دیتے ہیں جبکہ ہم پہلے ہی اس چیز کو بیان کر چکے ہیں کہ مغربی اقوام نے مسلمانوں سے علمی و سائنسی اور دیگر شعبہ ہائے زندگی میں استفادہ کرتے ہوئے مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کو ہرگز قبول نہیں کیا تھا یعنی دیگر اقوام سے علمی، سائنسی اور دیگر شعبہ ہائے زندگی میں استفادہ کرنے کے لیے تہذیب و تمدن میں بھی اسی قوم کی اتباع کو بنیادی شرط قرار دینا خوددار قوموں کا شیوہ نہیں ہوا کرتا بلکہ دنیا بھر میں اس اندازِ فکر کو ذہنی مرعوبیت و مغلوبیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مسلمانوں کا یہ مخصوص گروہ جس دوسری غلط فہمی کا شکار ہے وہ یہ ہے کہ

پاپائیت کی طرح دینِ اسلام بھی سائنسی علوم و فنون اور جدید ایجادات واختراعات کی مخالفت کو ضروری سمجھتا ہے اور اسلامی تعلیمات کو درایت کے پیمانوں پر ماپنے سے پہلو تہی کرتا ہے۔

الجواب

- اولاً: مذکورہ فکر قرآن وحدیث کی تعلیمات سے عدمِ واقفیت کا نتیجہ ہے۔
- ثانیاً: اسلام سے متعلق مذکورہ فکر تاریخی حقائق سے عدمِ واقفیت کی وجہ سے ہے۔
- ثالثاً: کیا یونانی علوم وفنون کی ترویج واشاعت مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہیں ہوئی تھی؟؟
- رابعاً: اسلام کے بنیادی ماخذ قرآن و حدیث کی تدوین و حفاظت کے ساتھ ساتھ اللہ رب العالمین نے مسلم حکمرانوں کے ذریعے یونانی فلسفہ و منطق کی عربی زبان میں منتقلی کے نتیجے میں دینِ اسلام کی بنیادوں کو درایتاً مستحکم کرنے کا اہتمام نہیں فرمایا؟؟
- خامساً: کیا اللہ رب العالمین نے امام ابو منصور ماتریدی، امام اشعری، امام فخر الدین رازی، امام غزالی، شاہ ولی اللہ، امام احمد رضا خان جیسے متبحر علماء کے ذریعے فلاسفہ و مناطقہ کے غرور و تکبر کو خاک میں نہیں ملایا؟؟

یورپ کی نشاۃِ ثانیہ اور جدیدیت کی تحریکوں کے تاریخی پسِ منظر کا ایک دوسرے پہلو سے سرسری جائزہ؛

اصولی بات یہ ہے کہ کوئی بھی حقیقی الہامی مذہب ہو اس کی تعلیمات خلافِ عقل نہیں ہوتیں۔ لیکن چونکہ عیسائیت میں کنٹریبونٹ کے بعد انتہائی بنیادی عقائد بھی تحریف کا شکار ہو گئے تھے جیسا کہ مصنف جان ولیم ڈریپر نے بیان کیا ہے کہ عیسائیت نے ابتداً بہت سی مشکلات کے بعد جب روما میں قیصر کے ساتھ اشتراکِ سیادت کیا تو مختلف سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے روما میں رائج قدیم بت پرستی کی مختلف شکلوں کو بھی اپنے اندر داخل کر لیا ڈاکٹر ڈریپر مزید بیان کرتے ہیں کہ مسیحیت کے اس طرزِ عمل کے برعکس اسلام نے اپنے بنیادی عقائد توحید و رسالت میں کسی قسم کی لچک کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ اسلام نے مخالف عقائد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ اگرچہ مسلمانوں میں بہت سے فرقے نمودار ہوئے لیکن مسلمان کبھی اسلام کے بنیادی عقائد توحید و رسالت سے نہ بھٹکے۔

معزز قارئین کرام!!

جیسا کہ پہلے بیان کیا کہ کوئی بھی حقیقی الہامی مذہب خلافِ عقل عقائد کا مجموعہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے لہذا اس میں خلافِ عقل عقائد کا پایا جانا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ مذہب مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ تحریف کا شکار ہو چکا ہے۔ بہر حال مسیحیت نے روما میں صدیوں سے رائج بت پرستی کے مختلف مظاہر سے وسیع پیمانے پر اثر قبول کیا نتیجتاً مسیحیت غیر الہامی عقائد و نظریات سے مملو ہو گئی۔

اس سے اگلا کام جیسا کہ تمام مذاہب میں ہوتا ہے یعنی بنیادی عقائد و نظریات کی توضیح و تشریحات کے لیے کتب کی تصنیف و تالیف۔ اب چونکہ توضیح و تشریح بھی انہیں غیر الہامی و غیر عقلی عقائد و نظریات کی گئی تھی چنانچہ وہ مزید پیچیدگیوں کا شکار ہوتے چلے گئے۔

اس پر مستزاد یہ کہ مسیحیت میں۔۔ 1) پاپائے اعظم کو معصوم عن الخطا اعتقاد کیا جاتا تھا۔۔ 2) مسیحی کونسل کو وسیع اختیارات حاصل تھے۔ اس کونسل کے فیصلوں میں اگر سیاہ کے متعلق سفید اور سفید کے متعلق سیاہ ہونے کا فیصلہ صادر کر دیا جاتا تو وہ بھی نافذ العمل ہوتا تھا۔

دوسری طرف مسیحیت کو قیصر سے سیاسی اشتراک کی بدولت قوتِ اقتدار بھی حاصل ہوگئی تھی جسے مسیحیت کی نشرواشاعت کے لیے حسبِ موقع وحسبِ ضرورت استعمال کیا گیا۔ بتدریج مسیحیت کو قوت اقتدار اس قدر حاصل ہوگئی کہ مسیحیت جو ایک وقت میں مصلحت اور باہمی رواداری کی قائل تھی اس نے تعصب وتنگ نظری کو اپنا کو اوڑھنا بچھونا بنالیا اور ہر اس فکر وعمل کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا تہیہ کرلیا جو مسیحی تعلیمات سے تطابق نہ رکھتی تھی۔

اب یہاں سے ارسطو اور افلاطون جیسے یونانی فلاسفہ ومفکرین اور ہر اس شخص کی بیخ کنی کا آغاز ہوتا ہے جو ان سے کسی بھی طرح وابستگی رکھتا تھا۔ علم، تحقیق، جستجو، سائنس وفلسفہ کا دیس یونان اب متعصب وتنگ نظری کا شکار پادریوں کی آماجگاہ بن چکا تھا۔ یہ یورپ کے اس عقلی انحطاط کا نقطۂ آغاز ہے جو 1000 سال سے بھی زائد عرصہ کو محیط ہے۔اس 1000 سالا دورِ اقتدار میں پاپائے اعظم کی نگرانی میں مسیحیت علم ودانش اور سائنس وفلسفہ کی بیخ کنی کے لیے ہر وہ حربہ استعمال کرتی ہے جو انسانی عقل سے متصور ہو سکتا ہے۔ قوتِ اقتدار کے بل بوتے پر کسی بھی مشکل سے مشکل حکم نامے کو عملی جامہ پہنانا ان کے لیے مشکل نہ تھا۔

ظاہر ہے اس طرح کی جکڑ بندیاں ایک وقت تک ہی قائم رکھی جاسکتی تھیں چنانچہ اس کے بعد یورپ میں نشاۃ ثانیہ کی تحریکوں کا آغاز ہوتا ہے۔ایسا نہیں ہے کہ 1000 سالوں میں کسی نے مسیحیت کے غیر علمی وغیر عقلی رویوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ کی ہو۔ہر زمانے میں چند لوگ ضرور مسیحیت کے علم دشمن رویوں کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے تھے لیکن ان کی آواز کلیسائی قوت وہمہ جہت اقتدار کے سامنے بے وقعت ہوتی تھی۔اس کے بعد یورپ کی نشاۃ ثانیہ ہوتی ہے اور اس میں بیسیوں تحریکیں حصہ لیتی ہیں جنہیں آج مختلف ناموں سے پہچانا جاتا ہے(جیسا کہ تشکیکیت، عقلیت پسندی، تجربیت پسندی، روشن خیالی، سیکولرازم، لبرلزم وغیرہ)

یہ اور اس طرح کی دیگر تمام تحریکوں کے رستے اگرچہ مختلف تھے لیکن منزل سب کی مشترک تھی یعنی مسیحیت(رومن ازم) کو معاشرت، سماجیات، سیاسیات، معاشیات اور دیگر شعبہ ہائے زندگی سے بے دخل کرکے عبادت خانے تک محدود کردیا جائے۔ بلخصوص ملکی نظم ونسق اور ریاستی پالیسیز کی تشکیل میں مذہب ومذہبی علماء کے کردار کو حرفِ غلط کی طرح مٹادیا جائے۔

یہ سوال کہ بلآخر مغربی سائنسدان اور مفکرین مذہب سے اس قدر بیزار کیوں ہوگئے تھے کہ پورے مغربی معاشرے نے مل کر مسیحیت کو کلیسا کی چاردیواری تک محدود کرنے کے لیے اپنی کئی نسلوں کو اس مشن کی تکمیل کے لیے وقف کیے رکھا۔

درحقیقت اس سوال کا جواب کئی صدیوں میں پھیلا ہوا ہے بقیہ اس تحریر میں اجمالاً اس کا جواب پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ڈاکٹر جان ولیم ڈریپر نے اپنی اس کتاب میں مذکورہ سوال کا جواب مکمل تفصیلات کے ساتھ زینتِ قرطاس کیا ہے۔

یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ جس بھی ماحول کا حصہ بنتا ہے وہاں سے شعوری و غیر شعوری طور پر اثر قبول کرتا ہے۔ اسی طرح کتاب کے مطالعہ سے بھی انسان مختلف طرح کے اثرات قبول کرتا ہے چنانچہ ہمارے معاشرے میں ایسے احباب ہیں جو زندگی بھر مغربی لٹریچر سے تو استفادہ کرتے رہتے ہیں لیکن 1400 سال میں گزرے نامور مسلم مفکرین سے استفادہ کرنا انہیں گوارا نہیں ہوتا نتیجتاً محسوس اور غیر محسوس طور پر مغربی مفکرین کی مخصوص مذہب مخالف فکر بھی ان کے اندر سرایت کر جاتی ہے اور یوں ہمارے معاشرے کا یہ پڑھا لکھا طبقہ ان راہوں کا مسافر بن جاتا ہے جو اگر توفیقِ ایزدی شامل حال نہ ہو تو تاریکیاں ہی ان کا مقدر ٹھہرتی ہیں۔

بدقسمتی سے پھر یہی طبقہ جس نے مغربی مفکرین کی تحریروں میں مذہب (پاپائیت) سے متعلق اسی فکر کا مطالعہ کیا ہوتا جو 1000 سالا مخاصمت مذہب و سائنس کے مابین جاری رہی تو چونکہ انہوں نے مطلقاً مذہب سمجھ کر پڑھا ہوتا ہے نتیجتاً یہ دینِ اسلام سے متعلق بھی وہی طرزِ فکر و عمل اختیار کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ انداز بیک وقت کئی خرابیوں کا مجموعہ ہوتا ہے جیسا کہ سطحیت، کم علمی، تعصب و تنگ نظری وغیرہ

مصنف ڈاکٹر جان ولیم ڈریپر نے مسلمانوں کے علمی ذوق اور رواداری و مسالمت کو مختلف مقامات پر بیان کیا

بطورِ نمونہ چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

مسلمانوں کی علم دوستی پر مصنف تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہ اعلیٰ درجہ کا علمی مذاق اس وقت تک بھی بدستور قائم رہا جب کہ اندرونی تنازعات اور فسادات کی وجہ سے عربی سلطنت تین جداگانہ حصوں میں

تقسیم ہوگئی تھی۔ عباسی ایشیا میں، فاطمی مصر میں اور اموی اندلس میں ایک دوسرے کے سیاسی رقیب تو تھے ہی لیکن علم وحکمت اور انشا کی سرپرستی بھی ہر ایک کی یہی کوشش تھی کہ دوسروں پر فوقیت لے جائے۔

مسلمانوں کے ذوقِ مطالعہ کی نسبت مصنف لکھتے ہیں کہ

خلفائے اندلس کے عظیم الشان کتب خانہ کے نسخوں کی تعداد بتدریج چھ لاکھ ہوگئی۔ محض اس کی فہرست 44 جلدوں پر مشتمل تھی۔ اس شاہی کتب خانہ خاص کے علاوہ اندلس میں ستر سرکاری کتب خانے ایسے تھے جن میں جاکر کوئی بھی شخص مطالعہ کر سکتا تھا۔

ایک طبیب کے متعلق روایت مشہور ہے کہ جب سلطانِ بخارا نے اسے بلا بھیجا تو اس نے وہاں جانے سے اس بنا پر انکار کردیا کہ اس کی کتابوں کی بار برداری کے لیے چار سو اونٹوں کی ضرورت تھی۔

مصنف نے ان مناظر وواقعات کو بھی قلم بند کیا ہے جب 600 سو سال تک حکومت کرنے کے بعد مسلمانوں کو اسپین سے بے دخل کیا گیا۔ مصنف نے اس مقام پر مسلمانوں کی مسالمت، رواداری، برداشت جیسے اوصاف کا تقابل کلیسائی پادریوں کی تنگ نظری، تعصب سے کرنے کے بعد اسپین کے مسلمانوں کی تعریف وتوصیف جبکہ کلیسائی پادریوں کے ان تاریخی مظالم کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔

نوٹ: یہ کتاب جو کہ ایک غیر مسلم رائٹر کی لکھی ہوئی ہے اس میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جنہیں اسلامک پوائنٹ آف ویو سے صرف غلطی کہنا کافی نہیں ہوگا بلکہ ان کی حیثیت بلنڈرز کی سی ہے۔ البتہ قابلِ اطمینان بات یہ ہے کہ مترجم نے اپنے فاضلانہ حواشی کے ذریعے کافی حد تک ایسے مقامات پر اسلامی تعلیمات اور نقطۂ نظر کو واضح کردیا ہے۔

شنٹوازم(Shintoism):ایک جائزہ

محمد عثمان علی کاشمیری

شنتو مت دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں سے ایک ہے۔ شنٹوازم جاپان کی قدیم نسل یاماٹو کا قومی مذہب تھا جس کی بنیاد مناظرِ فطرت پر تھی۔ شنتو چینی زبان کا لفظ ہے جس کے معانی خدائی راستہ کے ہے۔ ہندو مت کی طرح اس کا کوئی بانی نہیں نہ مقدس تصانیف اور نہ ہی مستند عقائد کا کوئی مجموعہ ہے۔ شنتو مت قدرتی مظاہر کی پرستش کا نام ہے۔ جاپانی لوگ اپنے وطن سے گہری جذباتی محبت رکھتے ہیں۔ جاپان کو دنیا میں منفرد قرار دیتے ہوئے شنتو مت سکھاتا ہے کہ کوئی اور زمینی خطہ الٰہی نہیں ہے۔ شنٹو مذہب کا باقاعدہ آغاز تین سو سال قبل مسیح میں ہوا۔ اس مذہب میں تیرہ فرقے ہیں اور جاپان کے سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل ہے۔ شنتو مت کے دو بنیادی عقائد ہیں۔

1,ملکِ جاپان دیوتاؤں کی سرزمین ہے۔

2,جاپان کے لوگ دیوتاؤں کی نسل ہیں۔

● کامی کا تصور

"خدا کے حوالے سے جاپانیوں کا کوئی اپنا تصور نہیں تھا بلکہ اس کو ہم چینی سینار یو کا دہراو کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ جاپانیوں میں بھی آباواجداد پرستی اور مظاہر پرستی کئی صدیوں سے چلی آ رہی ہے۔"[8]

شنٹوازم کے عقیدہ کی بنیاد در حقیقت زندگی کو طاقت دینے والی قوت کا نام ہے۔ جاپان کے شنٹو مذہب میں "کامی" کا تصور God سے بلکل مختلف ہے اس لئے شنٹوازم میں روحانی فائدہ کے حصول کے لئے کسی دیوتا کے سامنے دعا نہیں جاتی بلکہ ان کے مطابق ذاتی کوشش سے اپنی زندگی کو خوشحال اور معاشرہ کو خوبصورت و امن کا گہوارہ بنا سکتا ہے۔ البتہ شنٹو کے ماننے والے "کامی" کو انسان کو تخلیق کرنے والا ضرور مانتے ہیں۔ یہ لوگ "کامی" اور "انسان" میں فرق بھی نہیں کرتے ان کے مطابق جو فطرت کامی کی ہے وہی انسان کی بھی ہے۔ یہاں انسان سے مراد جاپانی قوم مراد ہے کیونکہ جاپانی کامی کی

---

[8] عقاد، ابراھیم ابوالانبیاء، دارالرشاد، بیروت، ص 88

اولاد ہیں اس لئے صرف یہی کامی بن سکتے ہیں۔ کسی دوسری نسل یا قوم میں سے کوئی بھی انسان کامی نہیں بن سکتا۔ "یہ جاپان کا قومی مذہب ہے جس میں کوئی دوسرا یعنی غیر جاپانی داخل نہیں ہو سکتا"[9]

شنتوازم کی مذہبی کتاب

"شنتوازم ایک موروثی مذہب ہے۔ اس مذہب کی کوئی بنیادی کتاب نہیں، البتہ آٹھویں صدی عیسوی میں ان کے ایک مصلح یاسومارو Yasumaro نے اپنے دیوتاؤں کے قصوں کو ایک کتاب میں جمع کیا جس کا نام کوجیکی (Records Of Ancient Matters) Kojiki رکھا"[10]

اس کتاب میں میں جاپان کی قدیم تاریخ اور قومی بہادروں کے کارنامے مبالغے کے ساتھ درج ہیں۔ اس کتاب میں جاپان کے شاہی خاندان کو دیوتاؤں کا خاندان بتایا گیا ہے۔ اس لیے آج بھی جاپانی شہنشاہ کو دیوتا کا درجہ حاصل ہے۔

شنتوازم کے عقائد

1۔ شنتوازم میں معبود کو "کامی" کہا جاتا ہے۔

(مشہور جاپانی اسکالر موتوری ناگا Motoori Norinaga کے مطابق "کامی تمام تر اعلیٰ خصوصیات اور خوبیوں کا حامل ہے ان اعلیٰ تر خوبیوں کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی قوت رکھتا ہے جس کے اثرات ہر چیز پر مرتب ہوتے ہیں اور یہ کہ کامی انسان سے بہت زیادہ طاقتور ہے)

2۔ شنتوازم میں حیات بعد از موت کا کوئی تصور نہیں ہے۔

3۔ شنتوازم میں عبادات کا کوئی خاص طریقے وضع نہیں ہیں۔

4۔ شنتوازم کے مطابق جب بھی شنتو مرتا ہے وہ کامی کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

5۔ شنتو زم کی تمام کامیوں (دیوتاؤں) کو یاؤ یوروزو YaoYorozu کہا جاتا ہے۔ نیز کامیوں کی تعداد بھی لا محدود ہے۔ شنتو ازم میں تمام دیوتاؤں کے علاوہ مقامی دیوتاؤں کے ساتھ ساتھ بزرگوں کی روحوں اور بادشاہوں کی بھی پرستش کی جاتی ہے جو "میلیکیڈو" کہلاتے ہیں ان کو بھی کامی کہا جاتا ہے۔ اور ان کی بھی پوجا کی جاتی ہے۔ شنتوازم اپنے ماننے والوں کو حکم

---

[9] تدریس العقائد، صفحہ 165، پیر سائیں غلام رسول قاسمی زیدہ مجدہ

[10] تدریس العقائد، صفحہ 165،166، پیر سائیں غلام رسول قاسمی

دیتا ہے کہ وہ بلاواسطہ کامی دیوتا اور دیگر دیویوں کی پوجا کر سکتے ہیں۔ "شنٹوازم ایک بت پرست مذہب ہے جس میں بتوں کی تعداد کروڑوں میں ہے"[11]

"In the myths, the imperial ancestor deity Amaterasu is placed at center stage, with the tales and legends of various other kami woven around her. It bears repeating that behind that structure lay the strong impetus of the religion of the Yamato court and its conscious designs for national unification".

"دیومالائی داستانوں میں، شاہی آباؤ اجداد دیوتا امیٹراسو Amaterasu کو مرکز کے مقام پر رکھا گیا ہے، جس کے ارد گرد مختلف دیگر کامی کی کہانیاں اور داستانیں بنی ہوئی ہیں۔ یہ دہراتا ہے کہ اس ڈھانچے کے پیچھے یاماتو دربار Yamato court کے مذہب اور قومی یکجہتی کے لیے اس کے شعوری ڈیزائن کا مضبوط محرک ہے۔"[12]

(آسمان کی کامی (Amatsukami) اور زمین کی کامی (Kunitsu-Kami)، انسانی کامی اور سمندر اور "Animistic" قدرتی کامی پہاڑ، شاہی گھر کے آبائی کامی اور جن کی پوجا کی جاتی ہے۔ طاقتور مقامی لارڈز)

کوشیٹو شنٹو

عام اصلاح میں جاپان کے بادشاہ جب "اوہمی کامی" کی جانب سے جو مذہبی رسوم ادا کی جاتی ہیں انہیں شاہی خاندان کا شنٹو یا کوشیٹو شنٹو کہتے ہیں۔ اس تہوار میں بادشاہ تاج پہن کر ملک و قوم کی ترقی اور خوشحالی کے لئے مناجات کرتا ہے یہ رسوم شاہی محل میں ایک عارضی عمارت تعمیر کر کے ادا کی جاتی ہیں جسے "دائی جو کیو "Daijokyu کہتے ہیں.

1869 میں جب جاپان کا دارالحکومت کیوٹو Kyoto سے ٹوکیو Tokyo منتقل ہوا اس محل میں تین خانقاہیں تعمیر کی گئیں۔

---

[11] تدریس العقائد، صفحہ 166، پیر سائیں غلام رسول قاسمی زیدہ مجدہ

[12] Ueyama Shunpei, Kamigami no taikei: shinsô bunka no shikutsu (Tokyo: Chûô Kôronsha , 1972), 74; Oka Masao

[1]،کاش کوڈوکور (شاہی خاندان کے لئے)

[2]،اوہمی کامی (زمین و آسمان کے دیوتا کے لئے)

[3]،نینا میسائی (شاہی پروہت جہاں مذہبی رسوم ادا کرنے میں بادشاہ کی مدد کرتے ان میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہوتے مردوں کو "شوشن" اور عورتوں کو "نائی شوشن" کہا جاتا ہے)

"شنٹوازم میں انسان طہارت اور پاکیزگی کا مظہر ہے، اس وجہ سے اس مذہب میں جسمانی صفائی کے ساتھ روحانی صفائی کے لیے مقدس مقامات کی زیارت اور متعدد دیوتاؤں کی عبادت بھی لازمی امر ہے"[13]

مقدس مقامات (عبادت گاہوں) میں داخل ہو کر گھنٹی بجانا ضروری ہوتا ہے عبادت میں شریک لوگوں کو فرش پر بیٹھا کر چاول، ساگ اور روٹی دی جاتی ہے۔ کھانے کے دوران موسیقی بجائی جارہی ہوتی ہے جسے Gagaku کہلاتی ہے۔ جسے جاپانی Kagura Entertainment Of The God's یعنی دیوتاؤں کی خوشنودی کے لئے موسیقی۔ کسی بھی خانقاہ میں داخل ہونے سے پہلے خود کو پاک کرنا ضروری ہے ناپاکی کی صورت میں داخل ہونے والا انسان برائیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

● منزوکو Minzoku

شنٹوازم کے لوگوں کا گروہ جو بغیر کسی اصول یا ضابطہ کے اپنی مذہبی رسومات ادا کر کے خود کو شنٹوازم کا پیروکار کہلوائے ایسا گروہ عوامی شنٹو یا منزوکو کہلاتا ہے۔ ہر کمیونٹی کا رسومات ادا کرنے کا اپنا الگ طریقہ ہوتا ہے جسے جاپانی "جنجا" کہتے ہیں۔ مگر عوامی شنٹو میں ایک چیز مشترک ہے کہ یہ لوگ بغیر کسی شنٹو پروہت کے خود ہی کسی نوجوان لڑکے کا انتخاب کر کے اس کے ذریعہ اپنے دیوتا کی پوجا کرتے ہیں۔ وہی پورا سال پروہت کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔ اس کو 1 سال کے لئے منتخب کیا جاتا ہے اگر اس سے عوامی فائدہ پہنچے تو اسے اگلے سال کے لئے بھی پروہت کے لئے منتخب کیا جا سکتا ہے۔ اس منتخب کردہ لڑکے کو "تویا" کہا جاتا ہے۔ ہر خانقاہ کا اپنا الگ عقیدہ ہے۔ یعنی ہر کمیونٹی کے افراد اپنی علاقائی روایت کے مطابق مذہبی رسوم ادا کرنے کے ساتھ ساتھ کامی اور دیگر علاقائی دیوتاؤں کی بھی پرستش کرتے ہیں۔ "اہلِ جاپان چینی مذاہب کے علاوہ ہندومت، بدھ مت اور اسلام سے بھی کافی حد تک متاثر ہوئے۔ چنانچہ وہ خدا کے حوالے سے کئی دیوتاؤں کے

---

[13] سلیمان مظہر، قصة الديانات دار الوطن العربي، بیروت 1965، ص 246

پرستش کے ساتھ ایک زبردست دیوتا کے تفرید کے بھی قائل رہے۔ چنانچہ وہ ایک ازاناجی نومیکوتو کو الہ اعظم خیال کرتے تھے۔"[14]

جبکہ شہری خانقاہ کا مہا پروہت جو تمام درجوں سے گزر کر (20 سال پروہت رہنا اور باقاعدہ تعلیم حاصل کرنا) اس عہدے پر پہنچتا اسے "گوجائی" کہتے ہیں۔

شنتوازم کی مذہبی رسوم/تہوار

"شنتوازم میں اگرچہ دوسرے دیوتاؤں کے ہوتے ہوئے ایک عظیم دیوتا کا تصور موجود ہے۔ تاہم ان کے نزدیک اس الہ عظیم کی عبادت ضروری نہیں کیونکہ وہ انسانی معاملات میں پڑتا ہی نہیں۔ تاہم چونکہ بادشاہ ان کے نزدیک انسانی معاملات میں دخیل ہے اس وجہ اس کی رضاجوئی کے لیے اس کی عبادت ضروری امر ہے"[15]

[1]۔تائی سائی Tai Sai یعنی موسم بہار کا تہوار

[2]۔چوسائی Chu Sai جاپان کی آزادی کا تہوار

[3]۔شوسائی Sho Sai چھوٹے دیوتاؤں کی خوشنودی اور موسموں کے آغاز کا تہوار

[4]۔زاسائی Zas Sai دیگر تہوار مثلاً نئی عمارت (جیکن سائی کی رسم) مرنے کی رسوم (شن سوسائی کا تہوار) وغیرہ

جاپانی سکون کی تلاش میں شنتوازم کی خانقاہوں کی طرف رخ کرتے ہیں۔ خانقاہ کے اندر اچھی قسمت کے لیے درختوں کی شاخوں کے ساتھ ہزاروں رنگ برنگے کپڑوں کے ٹکڑے باندھے جاتے ہیں۔ ہاتھ باندھے لوگ کھڑے نظر آتے ہیں۔ یہ سب لوگ سکون کے متلاشی ہوتے ہیں مگر ان چیزوں میں سکون کہاں۔ یہی وجہ ہے کہ جاپان میں خودکشی کرنے والوں کی سالانہ تعداد 20 ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ 2015 میں جاپان کے کیبنٹ آفس کی طرف سے جاری کردہ ایک رپورٹ کے مطابق 2017 میں جاپان بھر میں مجموعی طور پر خودکشیوں کی تعداد 21,000 حد تک کم ہوئی، پولیس کا کہنا ہے کہ 2003 میں یہ شرح تقریباً 34,500 کے مقابلہ میں کمی دیکھنے کو ملی۔"

---

[14] رشدي عليان وسعدون الساموک، الاديان دراسۃ تاريخية مقارنة، القسم الاول، اديانات القديمہ، مطبعۃ وزارۃ التعليم العالي، بغداد 1976، ص 119

[15] سليمان مظہر، قصۃ لديانات دار الوطن العربي، بيروت 1965، ص 246

شوہا شنٹو

"شوہا" شنٹوازم کے دونوں بڑے فرقوں کے درمیان فرق کو ظاہر کرتا ہے۔ شنٹوازم کا وہ عقیدہ جو 1868ء سے قبل تھا اسے پرانا شنٹو Old Shinto جبکہ 1882ء کے بعد کو نیا شنٹو New Shinto کہتے ہیں۔ دونوں فرقے آسمان اور زمین کے دیوتاؤں کی پوجا کرنے کے ساتھ ساتھ ایک جیسی روایتی تہوار بھی مناتے ہیں۔ نئے شنٹوازم کے لوگ دیگر مذاہب مثلاً تاؤازم، بدھ مت اور کنفیوشس کی رسومات کو بھی زور و شور سے مناتے ہیں۔ "شنٹوازم میں انسان طہارت اور پاکیزگی کا مظہر ہے، اس وجہ سے اس مذہب میں جسمانی صفائی کے ساتھ روحانی صفائی کے لیے مقدس مقامات کی زیارت اور متعدد دیوتاؤں کی عبادت بھی لازمی امر ہے۔"[16]

خلاصہ:

شنٹوازم کو ماننے والے مادی اور روحانی معاملات میں کوئی فرق محسوس بلکہ ہر چیز میں (جاندار ہو یا بے جان) روحانیت تلاش کرتے ہیں۔ "جاپانیوں کے ہاں ارواح کو خصوصی اہمیت حاصل رہی ہے۔"[17]

اس لئے شنٹوازم میں جانوروں اور حیوانوں کو روحوں کو "مونو" یعنی روح کی ایک ادنی قسم کہتے ہیں۔ اسی لئے آج بھی جاپانی یونیورسٹیز اور میڈیکل کالجز میں جانوروں پر تجربات کرنا منع ہے۔ شنٹوازم مذہب کی بجائے فطرت پرستی کی چند رسوم کا مجموعہ ہے جو اب جاپان کا مذہب ہے۔ "شنٹو مذہب اخلاقی تعلیم کے معاملے میں اخلاص، ایثار اور تزکیہ نفس پر زور دیتا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ اگر انسان مخلصانہ مجاہدہ کرے تو دیوتاؤں سے واصل ہو سکتا ہے۔ بت پرستی کی وجہ سے یہ مذہب حقیقت سے دور اور بے یقینی اور توہم پرستی کا زبردست شکار ہیں"[18]

---

[16] سلیمان مظہر، قصۃ مدیانات دار الوطن العربي، بیروت 1965، ص 246

[17] رشدي عیان وسعدون الساموک، الادیان دراسۃ تاریخیۃ مقارنۃ، القسم الاول، ادیانات القدیمہ، مطبعۃ وزارۃ التعلیم العالي، بغداد 1976، ص 118

[18] تدریس العقائد، صفحہ 166، پیر سائیں غلام رسول قاسمی زیدہ مجدہ

مغربی فکر پر اسلامی فلسفے کا اثر

خواجہ محمد حسنین اویسی

فکر اگر محض ذہنی مشق تک محدود رہے، تو کتابوں کے صفحات میں دفن ہو کر رہ جاتی ہے۔ لیکن جب وہ عمل کے سانچے میں ڈھلتی ہے تو تہذیبوں کی بنیاد بنتی ہے۔ کیوں کہ جس نظریے کی عملی تعبیر ممکن نہ ہو وہ محض نیرنگ خیال ہوتا ہے اور جس عمل کے پیچھے کوئی نظریہ نہ ہو وہ نتیجہ خیز نہیں ہوتا۔

مغرب آج اپنے فکری، سائنسی اور سماجی ارتقا پر نازاں ہے یہ حقیقت میں اسلامی فلسفے کا ہی اثر ہے۔ اس حقیقت کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ ہم مغربی دنیا میں ان اسلامی اصولوں کی نشاندہی کریں جو آج ان کے سماجی وسیاسی نظام میں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔

قانون میں اسلامی فلسفے کی جھلک

آج مغرب میں عدل وانصاف کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اس کی جڑیں اسلامی اصولوں میں پیوست ہیں۔ قانون کی بالادستی، انسانی حقوق، مساوات اور آزادیِ اظہار—یہ وہ تصورات ہیں جنہیں مغرب کی جدید ریاستی تشکیل میں مرکزی حیثیت دی گئی ہے۔ لیکن ان کی فکری اساس ہمیں قرآنی احکامات اور خلافتِ راشدہ کی عملی روایات میں ملتی ہے۔

جان لاک، جو جدید مغربی سیاسی فلسفے کے معماروں میں شمار ہوتا ہے، کا نظریہ Natural Rights اسلامی تعلیمات سے متاثر نظر آتا ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ خلافتِ راشدہ کے عدالتی اصول اور شہری حقوق کی جو بنیادیں اسلام نے متعین کیں، وہ بعد میں یورپی قانونی نظریات میں کسی نہ کسی طور منعکس ہوئیں۔ جن میں Magna Carta اور امریکی آئین شامل ہیں۔

یہ محض اتفاق نہیں کہ اقوامِ متحدہ کے انسانی حقوق کے اعلامیے میں ایسے اصول شامل کیے گئے جو خلافتِ راشدہ کے دور میں واضح طور پر موجود تھے۔ حضرت عمرؓ کا فرمان "لوگوں کو ان کی ماؤں نے آزاد پیدا کیا ہے، تم نے انہیں کب سے غلام بنا لیا؟" آج بھی انصاف کا سب سے جامع اصول سمجھا جاتا ہے۔

معیشت: سود سے پاک مالیاتی نظام کی طرف پیش قدمی

مغربی معیشت صدیوں تک سودی نظام کے شکنجے میں جکڑی رہی، آج خود کو اس کے نقصانات سے نکالنے کے لیے اسلامی مالیاتی اصولوں کی طرف مائل ہو رہی ہے۔ اسلامی بینکاری، زکوٰۃ کا نظام اور سود سے پاک لین دین جیسے تصورات جنہیں کبھی دقیانوسی سمجھا جاتا تھا، اب مغربی مالیاتی اداروں میں سنجیدگی سے زیرِ غور ہیں۔

برطانیہ، فرانس، اور جرمنی جیسے ممالک میں اسلامی بینکاری کے اصولوں پر مبنی مالیاتی ادارے کام کر رہے ہیں۔ جبکہ امریکہ کی کئی ریاستوں میں بھی اسلامی فنانس کے ماڈلز پر تحقیق ہو رہی ہے۔

معروف ماہرِ تاریخ Rodney Wilson نے اپنی کتاب Islamic Economics: A Short History (2012) میں بیان کیا ہے کہ اسلامی معیشت میں ریاست کی معیشتی سرگرمیوں پر نگرانی، خیراتی نظام (زکوٰۃ) اور غیر سودی معیشت، جدید اقتصادی ماڈلز پر اثر انداز ہوئی ہے اور ہو رہی ہے۔

اخلاقی فلسفہ اور سماجی اصلاحات

اسلام نے ہمیشہ معاشرتی اصلاح پر زور دیا۔ خاندان کی مرکزیت، خیرات و فلاح، سماجی مساوات اور انسانی ہمدردی جیسے مفید اصولوں نے مغربی فکر پر اپنا اثر چھوڑا ہے۔

ہیومن رائٹس ویلفیئر سسٹم: مغربی ممالک میں سماجی بہبود کے جو جدید ادارے ہیں، ان کی اصل ہمیں اسلامی زکوٰۃ و صدقہ کے نظام میں ملتی ہے۔

حلال خوراک اور اسلامی طہارت: حیرت کی بات نہیں کہ مغرب میں آج "Organic" اور "Halal" خوراک کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے۔

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اگر اسلامی فلسفہ و سائنس مغرب تک نہ پہنچتا تو یورپ کی نشاۃِ ثانیہ کا آغاز ممکن نہ ہوتا۔

ابن الہیثم کا "تجرباتی طریقہ "(Empirical Method) آج بھی سائنسی ترقی کی بنیاد ہے۔

الجبرا، فلکیات، طب اور کیمیا میں مسلمان سائنس دانوں کے اصول آج بھی جدید مغربی سائنس کا حصہ ہیں۔

NASA میں استعمال ہونے والے ستاروں کے ناموں میں عربی اصطلاحات، مغرب پر اسلامی سائنسی اثرات کی ایک چھوٹی سی مثال ہیں۔

مغرب اپنی ترقی کو خود ساختہ قرار دیتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلامی فلسفے کی روشنی کے بغیر وہ ایک سیاہ گھاٹی ہے۔ اگر آج بھی وہ انسانیت کی فلاح کا خواہاں ہے، تو اسے اسلامی تعلیمات سے مزید رہنمائی لینا ہو گی۔ اسلامی فلسفہ نہ صرف ایک فکری ورثہ ہے بلکہ ایک عملی راہنما بھی ہے جو ہمیشہ عالمِ انسانیت کو عدل، علم اور فلاح کی راہ دکھاتا رہے گا۔

سیکولرازم: ایک مفصل تعارف (قسط دوم)

محمد انس بندیالوی

(۴) معاشی نظام:

سیکولرازم کے اندر دو بڑے معاشی نظام تھے سرمایہ دارانہ نظام Capitalism اور اشتراکی نظام Communism

پہلے ہر جگہ جاگیر دارانہ نظام Feudalism رائج تھا جس میں ایک بہت بڑے جاگیر دار کے ماتحت بہت سارے غریب لوگ کام کرتے ہیں اور وہ ان کے حقوق کو پامال کرتا ہے اور اپنے مال و دولت کو بڑھاتا رہتا ہے کہ کیپیٹل ازم اس کی ایک تھوڑی سی جدید صورت کا نام ہے اس میں ہر کسی کو کمانے کی کھلی اجازت ہوتی ہے البتہ اس نظام میں ملازمین کے کچھ حقوق متعین کر دیے گئے ہیں جس کی بناء پر اس کو بہت زیادہ فروغ ملا اور اکثر ممالک میں آج کیپیٹل ازم ہی رائج ہے اور حتی کہ پاکستان بھی اس برائی سے بچا ہوا نہیں،

دوسرا معاشی نظام کیمونزم، اسکی زیادہ تفصیل کی حاجت نہیں، روس اور چائنہ میں ۴۰، ۵۰ سال رائج کیا گیا، جہاں وہ بری طرح ناکام ہو گیا، اب ہر جگہ کیپٹل ازم ہی کو نافذ کیا گیا ہے۔

(۵) مسلم معاشرے میں فروغ:

یورپ نے اپنے اس نظام کو پوری دنیا پر مسلط کرنے کی کوشش کی جس کے لئے انہوں نے بھرپور طاقت کا استعمال کیا۔ ۱۹۰۰ انہوں نے کثیر مسلم آبادیوں کو اپنے زیر اثر کر لیا، عیسائیت کو تو پہلے ہی کنارے لگا چکے تھے، اب انہوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ اسلام کو بھی ختم کر دیں اور آج تک یہ کوشش جاری ہے۔

عوام کی جانب سے رد عمل:

انتہائی افسوس کے ساتھ سیکولرازم کو سب سے پہلے یہاں سے جواب یہ ملا ہے کہ ہر خاص و عام نے اس کو قبول کر لیا خصوصاً بڑے بڑے حکمرانوں نے اسلامی تعلیمات کی کھلم کھلا مخالفت کی، مثلاً: ترکی میں مصطفی کمال، ایران

میں رضا شاہ پہلوی اور پاکستان میں جنرل یحییٰ خان وغیرہ اور یوں مسلم معاشرے میں بھی سیکولرازم کو باآسانی فروغ مل گیا،

اس کے چار بڑے اسباب ہیں۔

الف) نفس پرستی:

یہ سب سے پہلا اہم اور وسیع سبب ہے کیونکہ مسلمان اپنی نفس پرستی میں مگن ہے اور نفس پرست آدمی کسی طرح کی پابندی کو قبول نہیں کرتا جبکہ مذہب پابند کرتا ہے کہ یہ جائز ہے اور یہ ناجائز ہے، یہ چیز کھانا حلال ہے یہ چیز کھانا حرام ہے وغیرہ نفس پرستی نے سیکولرازم کو سب سے زیادہ مسلمانوں میں فروغ دیا ہے۔

ب) عقلی و نظریاتی وجوہات:

انہوں نے اپنے باطل نظریات کے فروغ کے لئے ظاہری طور پر بڑے ہی اچھے دلائل دیئے ہیں اور سائنسی نظریات وایجادات کی حمایت حاصل کی اور اسکولز، کالجز اور سیمینارز کا سہارا لیا،

میں ایک چھوٹی سی مثال دوں گا کہ کراچی کے ایک اسکول میں استاد نے چھوٹے بچوں کو بلایا اور ان کے سامنے مسجد، مندر اور چرچ کے شوپیں Show piece رکھے اور انہیں کہا کہ آپ ان سے ٹافی Toffee مانگ لیں اب بچوں نے باری باری تینوں سے مانگا لیکن ان کی مراد پوری نہ ہوئی پھر استاد کے پاس آئے اور کہا کہ، "ہمیں تینوں جگہ سے ٹافی نہیں ملی پھر استاد نے کہا کہ یہ میں ہی تمہیں دے سکتا ہوں، یوں بچوں کے لاشعور میں یہ داخل کر دیا گیا کہ مذہب کچھ بھی نہیں جو ہے فقط دنیا ہے، اس طرح غیر محسوس انداز میں نظریات کو ذہنوں میں ڈالنا شروع کر دیا اسی لئے آج بہت سے مسلمان جو فقط دنیاوی طور پر تعلیم یافتہ میں وہ بھی ان کے میٹھے زہر کا شکار ہو کر جابجا اس طرح کی باتیں کرتے ہوئے مل جاتے ہیں کہ ان کے پاس ٹھوس دلائل ہیں، ان کا نظام عمدہ ہے وغیرہ

ج)مغربی تہذیب سے مرغوبیت:

یہ ہمارا بہت بڑا المیہ ہے کہ ہم ظاہری طور پر تو مغرب کے غلام نہیں ہیں لیکن ذہنی طور پر غلام ہیں، مغرب سے جو بھی آواز اٹھتی ہے، ہم اس کو بغیر سوچے سمجھے تسلیم کر لیتے ہیں یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ ہمارے لئے فائدہ مند ہے یا نقصان دہ، اس ذہنی غلامی کی بنیاد پر بھی سیکولرازم کو بہت فروغ ملا ہے۔

علماء کی جانب سے رد عمل: مسلم ممالک میں اس کارد عمل علماء کی طرف سے آیا تو علماء میں تین گروہ ہو گئے۔

الف)روایتی مسلم علماء:

انہوں نے اس بات کو لوگوں کے ذہن میں راسخ کیا کہ بس اسلام ہی حق مذہب ہے، اللہ تعالی اور اس کا رسول ﷺ کی ہے جو لائے ہیں وہی ٹھیک ہے ان جدید نظریات کے متعلق نہ سنو رنہ پڑھو، نہ ان کے قریب جاؤ۔
اگرچہ یہ بات تو بالکل حق ہے اور ان علماء کی بنیاد درست ہے لیکن انہوں نے سیکولرازم کے خلاف بالکل نہ پڑھا، نہ لکھا، نہ عملی میدان میں کوئی کاوش کی نتیجتاً سیکولرازم نے اپنی جڑیں پکڑ لیں اور عوام ہمارے ہاتھوں سے نکلنا شروع ہو گئے۔

ب)متجددین:

اس طبقے کے صاحب علم، مغربی تہذیب سے اتنے مرعوب ہوئے کہ ان کے پروپیگنڈوں کی زد میں آگئے انہوں نے اسلام کی نئی نئی تشریحات شروع کر دیں اور پورے اسلام کو تبدیل کر کے رکھ دیا، یہ ایسے بدترین لوگ ہیں کہ از روئے حدیث جو دوسروں کی دنیا کی خاطر اپنی آخرت برباد کر دیتے ہیں۔

ج) جدید مصلحین:

ان علماء نے شریعت کی بنیادی باتوں میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا اور اس پر قائم رہے لیکن جدید نظریات کو بھی پڑھتے رہے اور دیگر کو ان کے بارے میں معلومات بھی فراہم کرتے رہے کہ کس طرح ان کا رد کرتا ہے اور کہاں کہاں ان کے مورچے ہیں، اور یہی صحیح طریقہ ہے کہ برائی کا سامنا آنکھیں بند کر کے نہیں کرتے بلکہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مقابلہ کرتے ہیں۔

(٦) سیکولرازم کے نقصانات و شبہات:-

یہ سیکولر حضرات جو امن و سلامتی کے بڑے دعوے دار ہمیں اب ذرا ان کی امن و سلامتی کی تعریف بھی سن لیں کہ انہوں نے لوگوں کو کتنا فائدہ پہنچایا؟ کتنا سکون پہنچایا؟ اپنے نظریات کے نفاذ کے لئے انہوں نے انسانی خون کس قدر بہایا؟ اس کی مثال نہیں ملتی۔

- مصر: جمال عبد الناصر نے اخوان المسلمین کے ڈھائی لاکھ لوگوں کو انتہائی سفاکی سے موت کے گھاٹ اتار دیا اور جب مصر کی اسرائیل سے جنگ ہوئی تو اس نے اپنے خطاب میں کہا: "فرعون کے بیٹوں! آج تمہارا مقابلہ موسیٰ کی نسل سے ہے۔
- عراق: احمد حسن البکر اور صدام حسین نے کردوں پر شدید ظلم کیا اور کیمیائی ہتھیار استعمال کئے، لاکھوں لوگوں کو بے دردی سے قتل کیا۔
- ایران: رضا شاہ پہلوی، یہ بھی سیکولرازم کے بہت بڑے دلدادہ تھے انہوں نے بھی لاکھوں لوگوں کو قتل کیا، اسی نے Torcher cell بنائے ہوئے تھے جن کو آج ایرانی حکومت نے عجائب خانہ بنا دیا ہے اور اس میں دکھایا گیا ہے کہ رضا شاہ کے دور میں مسلمانوں کو کس کس طریقے سے سزا دی جاتی تھی، جن میں سب سے چھوٹی سزا یہ تھی کہ ناخن کھینچ لئے جاتے اور بجلی کا کرنٹ لگایا جاتا تھا اور انہوں

نے سیکولرازم کے دفاع میں سینما کو آگ لگادی اور بہت سے لوگوں کو مروادیااور پروپیگنڈا یہ کیا کہ مسلمانوں نے آگ لگائی ہے۔

- انڈونیشان: سہارتو کی نے سیکولرازم کے نفاذ کے لئے چار لاکھ لوگوں کو قتل کیا۔

جب یہ ساری باتیں سیکولرازم کے چاہنے والوں کے سامنے رکھی جاتی ہیں کہ تم نے اتنی بربریت کا مظاہرہ کیا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تو تمہارے مسلمان ہیں اور ان کی تاریخ ہی ہے کہ یہ لوگ جنگیں لڑتے رہتے ہیں یہ خونی قسم کے لوگ ہیں یاد رہے کہ مذکورہ بالا مسلمان صرف نام کے ہی مسلمان تھے۔

اگر اب ہم آپ کو ان کا مکروہ چہرہ بھی دکھاتے چلیں کہ یہ کتنے امن پسند ہیں؟!

- جنوبی امریکہ چلی Chile میں پنوشے نے تقریباً تین لاکھ لوگوں کو قتل کیا۔
- روس: سابق سوویت یونین نے ساڑھے دس لاکھ لوگوں کا خون پیا۔
- امریکا: ہیروشیما اور ناگاسائی میں ایٹم بم گرا کر دو دن میں دو لاکھ اٹھتر ہزار انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔
- جرمنی: ہٹلر Hitler نے نسلی تعصب کی بنیاد ڈالی اور جنگ عظیم کے نام پر کروڑوں لوگوں کو لقمہ اجل بنادیا۔
- بھارت: اس نے مسلمانوں، شودر، سکھوں، کشمیریوں پر جو مظالم ڈھائے ہیں وہ کسی سے چھپے نہیں ہیں۔
- برما: برما کی حالیہ دہشت گردی زبان زدعام ہے۔
- اسی طرح پہلی اور دوسری جنگ عظیم مسلمانوں کے ساتھ نہیں ہوئی اس میں برطانیہ، اٹلی، جرمنی، بلیجیئم، فرانس، وغیرہ شامل تھے یہ سارے ہی غیر مسلم ممالک ہیں، ان سب نے سیکولرازم کو فروغ دیا اور بڑی بڑی جنگیں کر کے کروڑوں لوگوں کو مروادیا۔

یہ ہے سیکولرازم کا اصلی چہرہ، آج سیکولرازم کو نافذ ہوئے تقریبا دوسو برس ہو چکے اوران صدیوں میں کروڑوں لوگوں کو ہلاک کر دیا گیا آپ اگر تاریخ کا مطالعہ کریں تو یہ معلوم ہو گا کہ ہزار سالوں میں بھی کروڑوں لوگ نہیں مرے۔

ان حقائق کو جانتے ہوئے بھی مسلم حکمرانوں نے سیکولرازم کو فروغ دیا ہے خاص طور پر ترکی نے غیروں کو خوش کرنے کی بہت کوشش کی تاکہ وہ یورپی یونین کے اندر شامل ہو جائے، اس نے پردے اور اذان پر پابندی لگادی اذان تودی جاتی مگر صرف ترکی زبان میں، بے حیائی کو بہت فروغ دیا گیا، مساجد کو مقتل یا عجائب خانوں میں تبدیل کر دیا گیا، اسلامی عیدوں کو لغو قرار دے دیا گیا، جبرا تقلید مغرب کروائی گئی اور ادنی سی مخالفت پر موت کا راستہ دکھایا گیا اس کے باوجود بھی آج تک اس کو یورپی یونین میں شامل نہیں کیا گیا معلوم ہوا کہ مسلمان چاہے جتنا بھی ان کو خوش کرنے کی کوشش کرے یہ کبھی بھی راضی نہیں ہونگے۔

پاکستان: سیکولر حضرات پاکستان میں بھی بکثرت پائے جاتے ہیں جو لوگوں کے ذہن میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں کہ مذہب ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ سیکولرازم ہی اصل ترقی ہے اگر پاکستان بھی اس کو اپنالے گا تو پاکستان بھی ترقی کریگا۔

یاد رکھیں، دعوی کیا جاتا ہے یہ سیکولرازم ترقی کے لئے بہت اہم ہے تو دعوی بغیر دلیل کے قبول نہیں ہوتا آپ ہمیں کوئی ایک دو مثال پیش کر دیں کہ جہاں پر سیکولرازم آیا ہو اور وہاں پر قتل وغارت گری نہ ہوئی ہو حالانکہ ہم آپ کوئی مثالیں پیش کر چکے، مزید ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

بوسنیا ہرزگونیا Bosnia Herzegovina: یہ مسلمانوں کا ملک تھا ان لوگوں نے اپنے اوپر سیکولرازم کو کلی طور پر نافذ کر لیا تھا یہاں تک کہ انہوں نے اپنے اسلامی نام بھی ختم کر دیئے تھے وہاں جا کر کسی کو کوئی وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ ایک مسلمان ملک ہے، یوگو سلادیا Yogosalavia جب آزاد ہوا تو بوسنیا کے لوگوں نے بھی چاہا کہ ان کو بھی آزادی مل جائے تو برطانیہ، امریکہ اور یورپ نے مل کر تمام کروشینز Croatians اور سربینز Serbians کو حکم دیا کہ ان کو مار دو کیونکہ یہ ابھی ظاہری طور پر مسلمان نہیں ہیں لیکن انکے آباء واجداد تو مسلمان تھے کہیں ایسا نہ ہو وہی روح بھڑک اٹھے اور دوبارہ جوش مارے، لہذا ان کو مار دو۔

یہ بات سن کر آخری بات یہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے فرمایا: وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ

ترجمہ اور یہودی و عیسائی، ہر گز تم سے راضی نہ ہونگے، جب تک تم ان کے دین کی پیروی نہ کرلو۔(بقرہ: ۱۲۰)

۷)روک تھام کے اقدامات:-

۱)سب سے پہلا بنیادی اور سطحی کام یہ ہے کہ سیکولر نظریات اور اس کے نتائج سے آگاہ ہونا کیونکہ اگر ہمیں ان دونوں کا علم نہ ہوگا تو غلط راہ کی جانب راغب ہو سکتے ہیں،
آپ جانتے ہیں کہ اس کی بنیاد مذہب سے دوری اور ظلم و ستم ہے لہذا اگر کوئی شخص اس کی مدح سرائی کرے تو آپ سوال پوچھیں کہ سیکولرازم کو آئے ہوئے دو سو سال ہو چکے ہیں کوئی ایک مثال دے دی جائے جہاں یہ امن و سلامتی کا پیغام لایا ہو؟

(۲)ہم یہ ساری باتیں سن کر جلنے اور کڑھنے سے آگے بھی کچھ کریں ہمیں غصہ تو بہت آتا ہے کہ ہم پر بڑے ظلم کئے گئے ہیں آگے بھی ہمیں کچھ عقل ہونی چاہئے کہ ابھی تو یہ صرف معلومات ہی ہے اس کے بعد عملی میدان میں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کہاں کہاں لوگوں کو روکنا ہے اور کہاں کہاں حملہ کرنا ہے اور اس معلومات کو کہاں تک پہنچانا ہے اور یہ جاننا ہے کہ ان کے جدید اعتراضات اور شبہات اور جوابات کیا ہیں؟

(۳)مختلف مقامات پر سیمینارز ہوں جہاں اس کے متعلق آگاہی فراہم کی جائے کہ دور حاضر میں مسلمانوں کا مقابلہ سیکولرازم سے ہی ہے۔

(۴)مستند دلائل کی روشنی میں اسلامی نظریات پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات دیئے جائیں خصوصاً عقیدہ توحید، جہاد، حدود، قصاص اور حقوق نسواں اور دیگر شرعی احکامات کی درست تشریحات کو منظر عام پر لایا جائے۔

۵)تاریخی شواہد پیش کریں کہ فلاں دور میں کیا ہوا؟ سیکولرازم نے کیا نقصانات کئے؟ تاریخی شواہد بہت پر اثر ہوتے ہیں

(۶)ہر طرح کے میڈیا کا استعمال نہایت مفید رہتا ہے یعنی چھوٹی Video clips اور Animations کے ذریعے لوگوں کو معلومات فراہم کی جائیں

۷)دین اسلام کا گہرائی سے مطالعہ بھی انتہائی ضروری ہے کیونکہ بعض ہمارے اپنے ہی لوگ مذہب پر اعتراض کرتے ہیں جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمیں اپنے مذہب کے بارے میں تفصیلی علم نہیں، مغرب کو پسند کرنے

والے مذہب کی کتابیں پڑھتے بھی ہیں تو وہی کتابیں پڑھتے ہیں جو یا تو سطحی معلومات دیتی ہیں یا ان لوگوں کی لکھی ہوتی ہے جو اسلام کی روح سے ناآشنا ہوتے ہیں اور اپنی ناقص عقل کے مطابق اسلام کی تشریحات کرتے ہیں، اب ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم معتمد علماء کی مستند کتابیں خود پڑھیں اور دوسروں تک بھی پہنچائیں، یہ نہ بھولیں **کہ دورِ حاضر اسلحہ سے زیادہ بھی نظریاتی جنگ کا دور ہے۔**

یہاں تک پہلا حصہ سیکولرازم کا انتہائی مختصر تعارف مکمل ہوا۔

لبرل ازم: ایک جائزہ

عائشہ کشف یٰسین

مسلم معاشرے پر لبرل ازم کے اثرات

مغربی روشن خیالی کے اہداف و مقاصد جنہوں نے مغربی معاشرہ کو متاثر کیا، اب خصوصی طور پر اسلامی معاشرہ ان کا ہدف بنا ہوا ہے۔ ان اہداف کے ذریعے ذہنی، تہذیبی اور اخلاقی تبدیلیوں کا سلسلہ شروع ہے۔ لبرل ازم نے جس طرح مغرب میں اپنے اثرات چھوڑے، اس طرح مسلم معاشرہ بھی اس کے اثرات سے نہ بچ سکا۔
ذیل میں مسلم معاشرے پر اس کے اثرات بیان کئے جا رہے ہیں:

1) سیکولر نظام تعلیم

آزاد خیالی کی تحریک نے جہاں عالم اسلام کو دیگر شعبہ ہائے حیات میں متاثر کیا وہاں نظام تعلیم بھی اس کی دسترس سے نہ بچ سکا۔ بلکہ یہ کہنا بجا ہو گا کہ نظام تعلیم روشن خیالی کا خاص ہدف رہا تاکہ ایک ایسی نسل تیار کی جا سکے جو اپنے مخصوص نظریہ حیات سے لاعلم ہو۔ اس قسم کی مادی تعلیم کا انتظام کیا جائے جس سے مادی ترقی تو کی جا سکے لیکن اخلاقی لحاظ سے یہ قوم بالکل دیوالیہ ہو جائے۔
ہمارے ہاں مروجہ نظام تعلیم اس لئے قائم نہیں کیا گیا کہ مسلمانوں کے تہذیب کو زندہ رکھنے اور ترقی دینے کے لئے اقدامات کئے جائیں بلکہ اس کے پیش نظر ایسے لوگ تیار کرنا ہے جو دین سے بیزار ہوں اور محض مادی ترقی کو ہی سب کچھ سمجھتے ہوئے بغیر اخلاقی سیکولر و لبرل ازم اقدار کے آگے بڑھتے جائیں۔ اس طرح کے لبرل و سیکولر نظام تعلیم نے ہماری جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہے

2-سیاسی اثرات

پاکستان کا وجود دنیا کے نقشے پر اسلامی جمہوریہ کے حوالے سے ظہور پذیر ہوا۔اسی بناء پر عالمی طاقتیں پاکستان میں ایسی سیاسی شخصیات کے سر پر ہاتھ رکھتی ہیں جو زیادہ لبرل بلکہ سیکولر ہوں تاکہ وہ ملک پاکستان کے حکومتی معاملات اور مذہبی تعلیمات کو الگ الگ کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔پاکستان کے موجودہ سیاسی حالات کو اس تناظر میں دیکھا جائے تو ہمارے ہاں آج کی ''روشن خیالی'' کے نعرے کی بہت اچھی طرح سمجھ آجاتی ہے کہ یہ فکر کہاں سے درآمد ہوئی اور اس کے پیچھے کونسے مقاصد کارفرماہیں۔

عالمی طاقتوں کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے ایسا لبرل اور سیکولر ذہنیت کا حکمران درکار ہے جو یہاں کے دینی عناصر اور دینی شعائر سمیت تمام دینی اقدار کو ختم کرنے کے درپے ہو اور لادینی افکار کا حکومتی سطح پر پرچار کیا جاتا رہے۔یہی وجہ ہے کہ ہمیں آج اور اس سے بھی پہلے کئی ادوار حکومت میں حکمرانوں کی طرف سے دینی نظریات کا مذاق اڑائے جانے کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔

3-معاشرتی واخلاقی اثرات

معاشرے کو سیکولر ولبرل بنانے کے لئے ایسی روایات اور اقدار کی حوصلہ افزائی سرکاری سطح پر بھی کی جارہی ہے، جس کے نتیجہ میں فحاشی عام ہو۔المیہ یہ ہے کہ ایسی روایات معاشرے کے لئے کوئی صحت مند سرگرمیاں ہرگز نہیں ہیں بلکہ فکری لحاظ سے حیوانیت اور جنسی بے راہ روی کی طرف مائل کرنے کے اقدام ہیں۔دراصل روشن خیالی کا وہ پورا خاکہ جو ہم نے اغیار سے مستعار لے رکھا ہے اس میں رنگ بھرنے کے لئے بھی اس کی دی ہوئی ثقافتی اقدار کو استعمال کیا جارہا ہے۔

ذرائع ابلاغ،ریڈیو،ٹی وی،اخبارات وجرائد اور فلموں کو بڑی منصوبہ بندی سے فکرونظر کی گمراہیاں پھیلانے اور اسلامی اقدار کو مٹانے اور ان کا مذاق اڑانے کے لئے استعمال کیا جارہا ہے اور ان تمام کو لبرل ازم کا لازمی تقاضا قرار دیا جارہا ہے۔

مسلمانوں کی دینی اقدار اور پختہ عقائد کو بنیاد پرستی قرار دے کر نئی نسلوں کو اپنی پرانی نسل کے عقیدے اور ایمان سے بدظن کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ہمارے نوجوانوں کے فکری جذبہ تجسس سے فائدہ اٹھا کر فلمی کہانیاں

اور ان کے کردار انہیں ایک ایسی راہ پر گامزن کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ان میں اچھے اور برے اعمال کی تمیز اور احساس ہی ختم ہو جائے۔

جب روح کی پاکیزگی اور حیا جو ایمان کا خاصہ ہے، متزلزل ہو جائے تو انسان اور جانور کا فرق و امتیاز ہی مٹ جاتا ہے۔ جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے ثقافت کے نام پر بپا ہونے والا طوفان ہمارے معاشرے پر انتہائی زہریلے اثرات مرتب کر رہا ہے۔ مغرب سے متاثر ہو کر ہمارے بعض ڈراموں اور پروگراموں میں ذو معنی فقرے، غیر اخلاقی مکالمے اور ناپسندیدہ مناظر سنانا اور دکھانا معمول ہے۔ الغرض لبرل ازم و سیکولر ازم کو اپنانے کی دوڑ میں ہمارا معاشرتی و اخلاقی ڈھانچہ تباہی کا شکار ہو چکا ہے۔

ہمارے معاشرے میں مادر پدر آزادی کو لبرل ازم قرار دیا جا رہا ہے۔ لبرل ازم کے فروغ کے لئے خواہ سیکولر نظام تعلیم ہو یا ہماری ثقافتی اقدار کو روندتا ہوا میڈیا، ان تمام نے ہمارے معاشرے کی صورت گری میں انتہائی منفی کردار ادا کیا ہے۔ اس لئے کہ معاشرتی سطح پر دینی و اخلاقی کردار کی پسپائی کی بنیادی وجہ "آزاد خیالی اور لادینیت کے رجحان ہیں۔

نتیجہ بحث

لبرل ازم نے مسلم معاشروں میں منفی اثرات چھوڑے۔ مغرب میں جہاں لبرل ازم کی وجہ سے مغربی معاشرے میں سائنسی علوم میں ترقی ہوئی وہاں الحاد اور دین سے دوری کے اثرات بھی مرتب ہوئے۔ اسی طرح یہ اثرات پوری دنیا میں پھیلے بالخصوص مسلم معاشرے پر اس نے گہرے منفی نقوش ثبت کئے۔

ایک مسلمان کو ہمیشہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ سیکولرازم، لبرل ازم اور دہریت کی تحریکیں یہ سب عیسائی اور دیگر تحریف شدہ و خود ساختہ مذاہب سے بد ظن ہونے کی صورت میں پیدا ہوئی ہیں۔ الحمد للہ اسلام ایک مکمل، مستند دین ہے جس کی کوئی بات بھی غیر فطری، ظالمانہ اور سائنس نظریات کے خلاف نہیں اور نہ ہی اسلام سائنس و تحقیق کے منافی ہے، اسلام میں ہر اخلاقی و معاشرتی خوبی ہے جس کو آج کے کفار بھی مانتے ہیں۔ اس لیے ایک مسلمان کو آزادی کے نام پر بے دین ہونے سے بچنا چاہیے اور سیکولر و لبرل اذہان رکھنے والوں کی ہر گز تائید و ترویج کا حصہ نہیں بننا چاہیے۔

فتوح الغیب اور تعلیماتِ قادریہ

محمد اسامہ بن صالح

علمائے حنابلہ میں شیخ الاسلام سیدنا امام محی الدین عبد القادر الجیلانی الحسنی علیہ الرحمہ کو مسلمانوں میں بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ سلسلہ قادریہ کی نسبت بھی شیخ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی جاتی ہے۔ آپ کے مقالات کا مجموعہ فتوح الغیب بہت مشہور ہے جو عربی زبان میں مرتب ہوا اور اس کے تراجم بھی دستیاب ہیں۔

فتوح الغیب کی مختلف شروح بھی تحریر کی گئی جن میں شیخ تقی الدین ابو العباس احمد ابن تیمیہ حنبلی، شیخ عطاء اللہ گجراتی اور علامہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی تحریر کردہ شرحیں بھی شامل ہے۔ فتوح الغیب میں شیخ کے بیٹے نے تکملہ کا اضافہ بھی کیا۔

ایک مؤمن کی شان ہے کہ وہ اللہ تعالی کے فیصلوں پر راضی رہتا ہے اور آزمائش کے دوران صبر کرتا ہے۔

شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

لا بدّ لكلّ مؤمن في سائر أحواله من ثلاثة أشياء أمر يمتثله ونهي يجتنبه وقدر يرضى به. فأقلّ حالة لا يخلو المؤمن فيها من أحد هذه الأشياء الثلاثة. فينبغي له أن يلزم بها قلبه وليحدّث بها نفسه ويأخذ بها الجوارح في سائر أحواله.

شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے موحد تھے اور اپنے معتقدین کو بھی عقیدہ توحید سے وابستہ رہنے کی سختی سے تلقین کرتے تھے۔ شرک وبدعت کے خلاف جدوجہد کرتے رہے اور اپنے تلامذہ کو بھی شرک وبدعت سے دور رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ ہر حال میں اللہ تعالی سے مدد طلب کرنے کی تلقین کی۔ صرف قادریوں کے لیے ہی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں عقیدہ توحید سے وابستہ رہنا لازم ہے کیونکہ یہ سب سے بنیادی عقیدہ ہے۔ اور اگر عقیدہ توحید پر درست طریقے سے ایمان نالایا جائے تو ہم مسلمان کیونکر رہ سکتے ہیں

لہذا فتوح الغیب کے دوسرے مقالے میں حضرت جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اتبعوا ولا تبتدعوا، وأطيعوا ولا تمرقوا، ووحدوا ولا تشركوا، ونزهوا الحقّ ولا تتهموا.

عقیدہ توحید کے متعلق فتوح الغیب کے تیسرے مقالے میں امام جیلانی فرماتے ہیں۔

ويقطع أن لا فاعل في الحقيقة إلاّ الله ولا محرّك ولا مسكّن إلاّ الله ولا خير ولا شرّ ولا ضرّ ولا نفع ولا عطاء ولا منع ولا فتح ولا غلق ولا موت ولا حياة ولا عزّ ولا ذلّ إلاّ بيد الله.

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کو متحد رہنے کا درس دیا۔

فتوح الغیب میں حضرت جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تفرقہ سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

وتواخوا ولا تعادوا، واجتمعوا على الطّاعة ولا تتفرّقوا، وتحابّوا ولا تباغضوا.

جب اللہ تعالیٰ ہمیں مال و دولت اور نعمتیں عطا کرے تو ہمیں شکر ادا کرنا چاہیے اور صدقہ کرنے میں زیادہ کوشش کرنی چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو اور اپنی نعمتوں سے ہم پر اپنا فضل و کرم جاری رکھے لیکن اگر ہم ناشکری کریں اور مال و دولت کے ساتھ مصروف ہو کر عبادت و اطاعت کو بھول جائیں تو اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نعمتوں سے محروم کردے گا۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ :

إذا أعطاك الله عزّ وجلّ مالا فاشتغلت به عن طاعته حجبك به عنه دنيا وأخرى وربّما سلبك إيّاه وغيّرك وأفقرك لاشتغالك بالنّعمة عن المنعم وإن اشتغلت بطاعته عن المال جعله لك موهبة ولم ينقص منه حبّة واحدة وكان المال خادمك وأنت خادم المولى فتعيش في الدّنيا مدلّلا وفي العقبى مكرّما مطيّبا في جنّة المأوى مع الصّدّيقين والشّهداء والصّالحين.

ایک مسلمان نعمت کے حصول پر شکر اور مصیبت کے دوران صبر کرتا ہے۔

فتوح الغیب میں حضرت جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فإن كانت النّعماء فاشتغل بالشّكر، وإن كانت البلوى فاشتغل بالتّصبّر والصّبر.

معاشرے میں حسد ایک روحانی بیماری ہے جو لوگوں کے درمیان جھگڑے اور بغض کا باعث بنتی ہے۔ فتوح الغیب کا سینتیسواں مقالہ حسد کی نفی میں ہے۔ امام عبدالقادر الجیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ما لي أراك يا مؤمن حاسدا لجارك في مطعمه ومشربه وملبسه ومنكحه ومسكنه وتقلّبه في غناه ونعم مولاه عزّ وجلّ وقسمه الّذي قسم له! أما تعلم أنّ هذا ممّا يضعف إيمانك ويسقطك من عين مولاك عزّ وجلّ ويبغضك إليه!

عبادات اور معاشرتی معاملات میں فرائض بہت اہم ہیں۔

حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ينبغي للمؤمن أن يشتغل أوّلا بالفرائض فإذا فرغ منها اشتغل بالسّنن ثمّ يشتغل بالنّوافل والفضائل فما لم يفرغ من الفرائض فالاشتغال بالسّنن حمق ورعونة فإن اشتغل بالسّنن والنّوافل قبل الفرائض لم يقبل منه وأهين فمثله

كمثل رجل يدعوه الملك إلى خدمته فلا يأتي إليه ويقف في خدمة الأمير الّذي هو غلام الملك وخادمه وتحت يده وولايته.

فتوح الغیب میں تصوف و طریقت کے متعلق ابحاث کے بعد تکمیلے میں حضرت عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ کی وصیت درج ہے۔ سیدنا عبد وہاب الجیلانی رحمہ اللہ کو وصیت کرتے ہوئے سیدنا عبد القادر الجیلانی رحمہ اللہ نے توحید کا سختی سے درس دیا اور تین مرتبہ تاکید کرتے ہوئے کہا کہ توحید پر قائم رہو۔

عليك بتقوى الله عزّ وجلّ ولا تخف أحدا سوى الله ولا ترج أحدا سوى الله وكّل الحوائج إلى الله عزّ وجلّ ولا تعتمد إلاّ عليه، واطلبها جميعا منه تعالى ولا تتّكل على أحد غير الله سبحانه. التّوحيد التّوحيد جماع الكلّ.

وفات کے وقت سیدنا عبد القادر نے فرمایا۔

استعنت بلا إله إلاّ الله سبحانه وتعالى، (وهو) الحيّ الّذي لا (يموت، ولا) يخشى الفوت. سبحان من تعزّز بالقدرة وقهر عباده بالموت، لا إله إلاّ الله محمّد رسول الله.

فتوح الغیب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام عبد القادر الجیلانی توحید و سُنّت سے وابستہ رہنے کا درس دیتے رہے۔ آج پھر مسلمانوں کو غیرت مند علماء اور مشائخ کی ضرورت ہے جو شرک و بدعت اور الحاد کے خلاف صف آراء ہوں اور مسلمانوں کو متحد کرنے کی کوشش کریں۔